ہمدرد نونہال

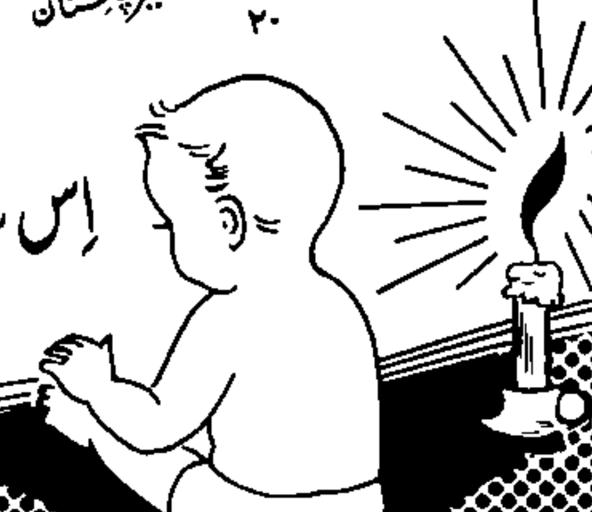
جون ۱۹۶۰ء



ہمدرد نونہال

ایڈیٹر
محمّد یٰسین
معاونین
ثریا ہمدرد • سعدیہ سعید • مسعودہ یحییٰ
•
جون ۱۹۶۰ء
ٹیلی فون ۹۴۴۵، — ۹۴۴۶،
جلد ۸ — شمارہ ۵

اس شمارے میں



سالانہ قیمت — ڈھائی رُپے
فی شمارہ — چار آنے

اداریہ

نونہالوں سے چند باتیں

بچّو! اپریل و مئی کے مشترک ہمدرد نونہال کا خاص نمبر "یورپ کی کہانیاں" آپ کو مل گیا اور آپ نے اسے بہت پسند کیا۔ آخر کیوں پسند نہ آتا — آفسٹ کی دیدہ زیب چھپائی۔ یورپ کے بڑے بڑے ملکوں کی عمدہ عمدہ کہانیاں۔ مرزا اشفاق احمد صاحب اور عبداللہ صاحب کی خوب صورت کتابت آخر سب ہی چیزیں تو ہم نے "ہمدرد نونہال" میں بند کر دی تھیں۔ ہمیں پاکستان کے کونے کونے سے نونہالوں کے خطوط مل رہے ہیں جن میں انھوں نے "یورپ کی کہانیاں" نمبر نکالنے پر مبارک باد دی ہو۔ بچّو، اس مُبارک باد کے لیے میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔ اور میرے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی مُبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے میرا ہاتھ بٹایا، مثلاً جناب متین الحسن صاحب موہانی اور جاوید پریس کے بھیّا حبیب۔ میں تمھاری طرف سے ان کو بھی مُبارک باد دیتا ہوں — تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں! اچھا بھئی تمھیں خاص نمبر پسند آیا، بس محنت وصول ہوگئی — اور بھئی محترم سمیع صاحب نے کیا کم محنت کی ہو۔ انھوں نے جس قدر دل چسپی سے نونہال کو اپنے بُرش سے سجایا ہو یہ انھیں کا حصّہ ہو۔ بس ذرا اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اپنے بھائی جان کے لیے دُعا مانگا کرو کہ اللہ میاں بھائی جان کو توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے ہمدرد نونہال کو وہ اور بھی زیادہ مفید اور کارآمد بنا دیں۔

بچّو! ہمدرد نونہال نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہو کہ بچّوں کی تعلیم و تربیت کے لیے زیادہ سے زیادہ سامان مہیّا کیے جائیں۔ اور ایسی دل چسپی پیدا کی جائے جس سے ان میں ایسے شوق پیدا ہوں جو ذہنی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان میں عملی جذبہ پیدا کرے۔ یہ حقیقت ہو کہ ان چیزوں کی ہماری قوم کے نونہالوں کو اشد ضرورت ہو۔

ایسی ہی دل چسپی کا سامان اس سے پہلے مضمون نویسی کا مقابلہ رکھ کر پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس بار ہمدرد ٹرسٹ نے اپنے نونہالوں کے لیے ٹائٹل ڈیزائن کا مقابلہ رکھ کر پیدا کیا ہو۔ ہمیں بڑی مسرت ہو کہ نونہالوں نے اس میں بڑی دل چسپی کے ساتھ حصّہ لیا اور ہمیں بہترین اور اچھے اچھے ڈیزائن بڑی تعداد میں موصول ہوئے ———— یہ بات نہ صرف حیرت انگیز ہو بلکہ واقعی لائق تحسین ہو کہ نیوٹاؤن گرلز سکنڈری کراچی نے اپنی طالبات کے رجحانات کے مطابق ان کو بڑی بڑی سہولتیں پہنچا رکھی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہو کہ ہمارے ٹائٹل ڈیزائن کے مقابلے کو اس اسکول کی طالبات نے جیت لیا۔

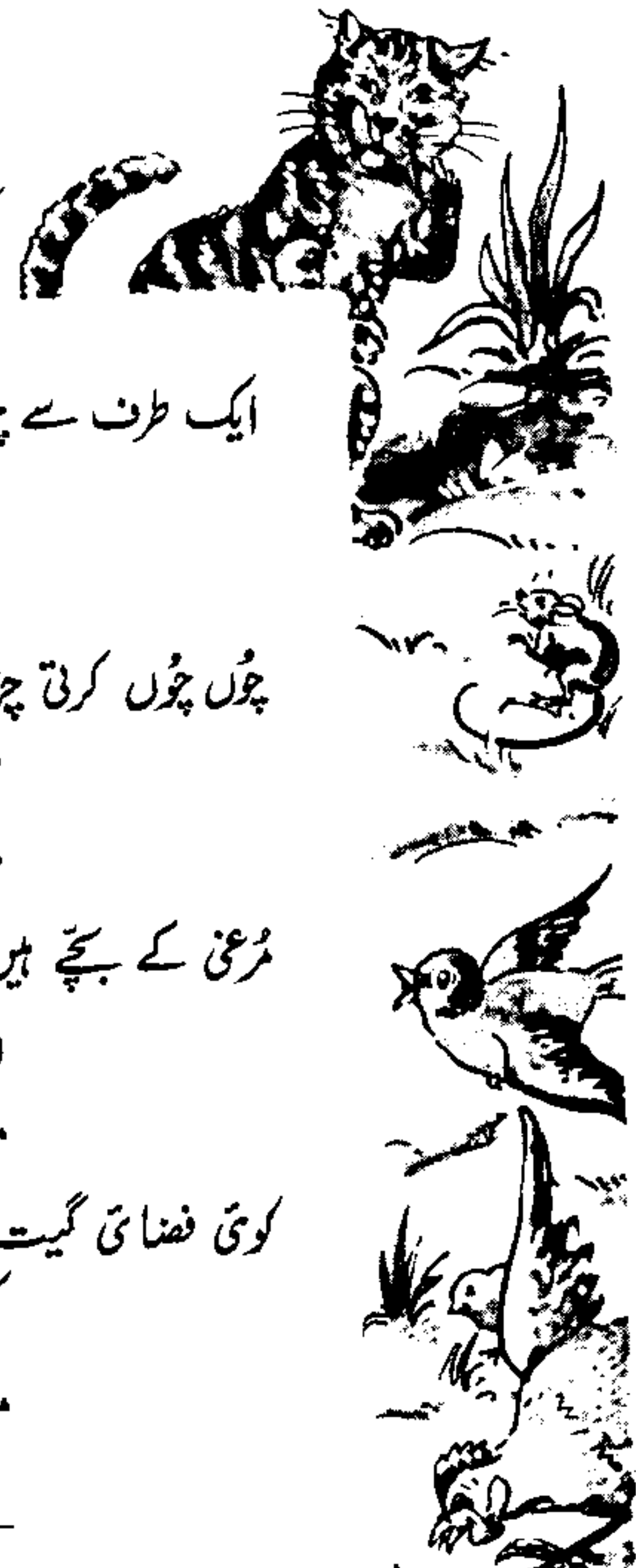
ججز کا یہ فیصلہ اخبارات میں شائع ہوچکا ہو کہ نیوٹاؤن گرلز اسکول کراچی کی طالبہ محبوب رحمان متعلّم جماعت نہم نے ٹائٹل ڈیزائن کا پہلا انعام اور بشرہ رحمت اللہ جماعت نہم نے دوسرا انعام۔ نجمہ رحمان متعلّم جماعت ہفتم نے تیسرا انعام حاصل کیا۔ اسی اسکول کی طالبہ کشور صدیقی نے خصوصی انعام مبلغ ۔۔۔۔۵ رُپے حاصل کیا۔ ضلع لاڑکانہ کے مشتاق احمد انصاری نے بھی ایک خصوصی انعام ۔۔۔۔۵۰ رُپے حاصل کیا — اب کس طرح یہ انعامات ان طالبات کو دیے گئے اور کس نے اپنے دستِ مُبارک سے دیے اس کا حال تم خود ہمدرد نونہال کے صفحات میں تلاش کرلو۔

تمھارا بھائی جان
محمّد یسین



بلّی کا گانا

حامد اللہ افسر



ایک طرف سے چوہیا آئی ایک طرف ہی دُودھ ملائی
یہ بھی کھاؤں، وہ بھی کھاؤں
میاؤں ، میاؤں، میاؤں ، میاؤں

چُوں چُوں کرتی چڑیا آئی دانے دانے کو للچائی
منھ میں اس کو کیوں نہ دباؤں
میاؤں، میاؤں، میاؤں، میاؤں

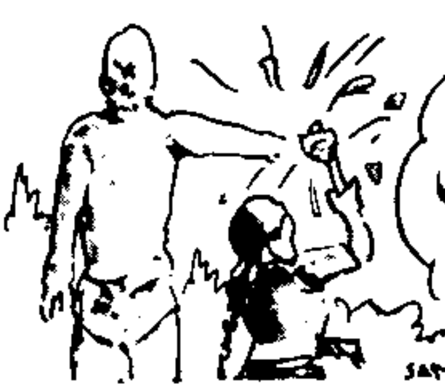
مُرغی کے بچّے ہیں پیارے لیکن مُرغی ٹھونگ نہ مارے
ان پہ کدھر سے تاک لگاؤں
میاؤں، میاؤں، میاؤں، میاؤں

کوئی فضائی گیت سنائے کوئی گراموفون بجائے
کیوں نہ میں اپنا گانا گاؤں
میاؤں، میاؤں، میاؤں، میاؤں



کہانی اور ڈرامے

[redacted]



لڑکی اور جادو کا درخت

محمد یٰسین



قدیم چین میں ایک گھر میں ساس کی بڑی اہمیت سمجھی جاتی تھی۔ کیوں کہ صحیح معنوں میں وہی گھر کی مالک ہوتی تھی اور اسی لیے ایک بیوی کو نہ صرف شوہر کی فرماں برداری کرنی پڑتی تھی بلکہ اُسے اپنی ساس کا بھی ہر حکم ماننا پڑتا تھا۔ اور شادی سے قبل اس کی کڑی آزمائش ہوتی تھی۔

یہ کہانی "شاہو" نامی خاندان کی ہے جو "لی لو" پہاڑ کے شمال میں رہتا تھا۔ اور یہاں ایک لڑکی کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے پہلے اُسے کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑیں اُن کا حال سنیے۔

"شاہو" خاندان کا ایک باغ تھا اُس میں ایک عجیب و غریب درخت تھا۔ اس درخت کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ سال بھر ہرا رہتا تھا اور ہر صبح کو اس میں سے تانبے کے گول گول ٹکڑے جھڑا کرتے تھے۔ یہ تانبے کے ٹکڑے ایسے ہوتے تھے کہ اگر ان کے بیچ میں سوراخ کر دیا جائے تو بالکل رائج الوقت سکّے کے مانند ہو جاتے تھے۔ بہرحال وہ ان سکّوں کو بطور رقم استعمال کرتے تھے اور اس طرح ان کے ہاتھ گھر بیٹھے ایک بڑا خزانہ لگ گیا تھا۔

اب روزانہ ان تانبے کے ٹکڑوں میں سوراخ کرنا بذاتِ خود ایک بہت مشکل اور سخت کام تھا اور جلد ہی ہاتھ دُکھنے لگتے تھے۔ اس لیے بے چاری بہو کے یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ روزانہ صبح ان تانبے کے ٹکڑوں میں بیٹھ کر سوراخ کیا کرے۔ مرتی کیا نہ کرتی۔ مگر اس کے ساتھ ایک اور جو مشکل پیش آئی وہ یہ تھی کہ اگر وہ اس کام کو انجام دیتی تو دن بھر کا اور گھر کا کام دھندا چوپٹ ہو کر رہ جاتا۔ لیکن کچھ عرصے بعد آخر طے پایا کہ وہ علی الصبح اس کام کو انجام دے اور سورج طلوع ہونے کے بعد بقیہ دیگر کام کرے۔ سورج طلوع ہوتے ہی اُسے سب سے پہلا کام یہ کرنا پڑتا کہ وہ دن بھر کی ضرورت کے لیے پہاڑ پر جاکر لکڑیاں کاٹتی اور واپس آکر پھر گھر کے دوسرے کام کرتی۔ لکڑیاں کاٹنے میں اس کے نازک نازک ہاتھوں پر کیا بیتتی اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ چوں کہ ساس کا حکم تھا اس لیے چوں چراں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سب لوگ خوش تھے کہ ان کے ہاتھ ایک مفت کا نوکر لگا ہے جس سے وہ جس قسم کا کام لیتے وہ کرتی۔

لکڑیاں کاٹنے کو تو وہ کاٹتی مگر پہاڑ کی سردی اور برفانی ہوائیں اس کے لیے سخت ناقابلِ برداشت ہوتیں۔ اس کے پاس ان برفیلی ہواؤں سے بچنے کے لیے کوئی خاص کپڑے بھی نہیں تھے بس ٹھٹھرتی رہتی۔ اِدھر اس کا خاوند اور ساس لحافوں میں دُبکے پڑے رہتے ان کو شاذ ہی اس کا خیال آتا کہ اس لڑکی پر اس ٹھنڈ میں کیا بیت رہی ہوگی۔

بہو کو اپنی بے بسی پر رونا آتا تھا اور وہ اکثر پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر اپنی قسمت پر آنسو بہاتی۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ خوب روتی اور اس کی اس تکلیف کو دیکھنے والا وہاں تھا بھی کون۔

ایک دن جب کہ مارے سردی کے اس کی ہڈیاں چیخ رہی تھیں اور تکلیف کی شدّت سے رو رہی تھی کہ اچانک اُدھر سے ایک ضعیف العمر شخص درختوں کے جھنڈ میں سے نمودار ہوئے۔ اور انھوں نے بڑی محبت کے ساتھ لڑکی سے رونے کی وجہ دریافت کی۔

لڑکی عرصہ سے محبت کو ترس گئی تھی جب بزرگ نے شفقت آمیز لہجہ میں اُس سے پوچھا تو وہ ضبط نہیں کرسکی اور اس نے اپنی تمام روئداد اُن بزرگ کو سُنادی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ایسا ایسا ایک درخت ہے جس میں سے تانبے کے گول گول ٹکڑے جھڑتے ہیں اور اسے ان میں سوراخ کرنے کا تکلیف دہ کام انجام دینا پڑتا ہے۔

بزرگ نے لڑکی کی اس روئداد کو بغور سنا اس کو تسلّی دی۔ اور

ہمدردی کا اظہار کیا۔ لڑکی جب اپنی بپتا ختم کر چکی تو بزرگ نے اپنے عصا سے ایک طرف اشارہ کیا اور کہا "کیا تم سامنے پہاڑ کے اُوپر پتھر کا بنا ہوا ایک آدمی دیکھ رہی ہو؟"

لڑکی نے نگاہ اٹھائی اور دیکھا سامنے ایک چٹان تھی جو دیکھنے میں آدمی کی ہم شکل تھی۔

بزرگ نے کہا "کیا تم نہیں دیکھ رہی ہو کہ یہ آدمی اپنے ہاتھ سے کس طرف اشارہ کر رہا ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا "ہاں میں دیکھ رہی ہوں" جو کچھ وہ دیکھ سکی وہ باہر نکلا ہوا ایک ہاتھ سا تھا جو کسی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

بزرگ نے کہا "اے لڑکی یہ ہاتھ اُسی درخت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو "شاہو" کے باغ میں ہے اور جس کے متعلق تم کہتی ہو کہ اتنا عجیب وغریب ہے کہ ہر روز صبح اس سے تانبے کے سکّے ٹپکتے ہیں، اور ہاں! اگر اس اشارہ کرتی ہوئی انگلی کو توڑ دیا جائے تو وہ درخت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرجائے گا اور پھر کبھی اس سے تانبے کے سکّے نہیں جھڑیں گے اور اس طرح تمھاری مشکل بھی آسان ہوجائے گی۔"

لڑکی کو بزرگ کی یہ تجویز پسند آئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا اس نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی لکڑیوں کی گٹھری اُٹھا کر چلدی۔

اگلی صبح جب لڑکی حسب معمول لکڑیاں جمع کرنے کے لیے پہاڑ پر روانہ ہوئی تو اس نے کسی ارادہ سے ایک ہتھوڑا اپنی بغل میں چھپا لیا۔ وہ سیدھی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچی، آس پاس نظر ڈالی۔ کوئی نہیں تھا۔ اُس نے موقع غنیمت جانا اور سخت غصّہ کے عالم میں بزرگ کی ہدایت کے مطابق پتھر کے آدمی کی انگلی توڑ دی۔ اس کو اطمینان ہوگیا کہ اس کی ایک مصیبت تو ختم ہوئی۔

اگلی صبح وہ درخت کا انجام دیکھنے کے لیے بیتاب تھی اُس نے صبح ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا اور درخت کے قریب پہنچ گئی۔ اندھیرے میں اس نے بہت تلاش کیا مگر وہاں کوئی تانبے کا گول ٹکڑا ہو تو ملتا۔ مگر آخرکار جب سورج طلوع ہوا اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی تو اس نے دیکھا کہ سال بھر ہرا رہنے والا درخت بالکل مُرجھا چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی صفت بھی ختم ہوگئی ہے۔

لڑکی کی ساس کو جب واقعات کا علم ہوا تو وہ مارے غصّہ کے آپے سے باہر ہوگئی۔ ظاہر ہے مفت کی دولت کی ریل پیل ختم ہوگئی تھی۔ ساس کو خیال ہوا کہ ان کے اُوپر جو یہ مصیبت آئی ہے اس کا سبب شاید خود اُن کی بہو ہے۔ اس نے ٹھان لی کہ وہ بہو کو اس کا مزا ضرور چکھائے گی۔

ساس غصّہ میں آپے سے باہر ہوگئی اور ہاتھ میں کلہاڑی لیے ہوئے وہ اس کے پیچھے یہ چلاتی ہوئی دوڑی، "اچھا اگر تم نے ہمارے درخت کو مار دیا ہے تو میں بھی تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

بے چاری لڑکی کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا وہ اپنی جان بچانے کے لیے باغ سے باہر بھاگی اور سیدھی پہاڑ پر چڑھ گئی۔ وہ ایک سانس میں بغیر رُکے ہوئے بھاگتی چلی گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کی ہونے والی ساس دوڑے جارہی تھی، جیسے اس نے قسم کھائی ہو کہ وہ اُسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔

خوش قسمتی سے لڑکی بہت سبک اور نازک تھی۔ اس کے برعکس اس کی ہونے والی ساس بوڑھی عورت اور پھر اس پر بھاری کلہاڑی کا وزن۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی اس کی ساس کی ٹانگیں جواب دے گئیں اور وہ تھک ہار کر قریب ہی ایک چٹان پر بیٹھ گئی۔ لڑکی نے جب بھاگتے بھاگتے یہ محسوس کیا کہ اس کے پیچھے آنے والے قدموں کی چاپ بند ہوگئی ہے تو وہ ٹھہر گئی اور اس کے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی ہونے والی ساس تھکی ہاری نیچے ایک چٹان پر بیٹھی ہوئی غصّہ میں اپنی کلہاڑی کو تیز کر رہی ہے۔ لڑکی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنی ساس کے پاس واپس جائے۔

اب ہونے والی دُلہن کو بھوک نے ستایا مگر اُن برفانی پہاڑوں میں کھانا کہاں مل سکتا تھا۔ جہاں کہیں بھی اس نے کھانے کی کوئی چیز تلاش کی اُسے خشک اور پتھریلی چٹانیں ہی نظر آئیں۔ کچھ دنوں مارے مارے پھرنے کے بعد اُسے اگر کھانے کی کوئی چیز میسّر آئی تو وہ "پائن ٹری" کی شاخیں تھیں جن کو وہ چبا لیا کرتی تھی۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح اُس کا گزارہ ہونے لگا۔

بے سروسامانی کے عالم میں چند مہینے اسی طرح گزر جانے کے بعد ایک عجیب و غریب چیز پیش آئی، لڑکی نے دیکھا کہ اس کے تمام جسم پر سفید بال اُگ رہے ہیں۔ وہ اپنے اندر اس تبدیلی سے سخت پریشان ہوئی اگرچہ وقتی طور پر یہ آرام ضرور تھا کہ وہ بال اس کے جسم کو ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں گرم رکھنے میں مدد دیا کرتے تھے مگر پھر بھی وہ بہت فکرمند رہنے لگی، اس لیے کہ وہ بال دِن بدِن بڑھتے جارہے تھے۔ اسی طرح ایک دن اس نے محسوس کیا اگر وہ کوشش کرے تو ہوا میں اُڑ سکتی ہے۔ اُسے اپنا وزن ہلکا محسوس ہونے لگا۔ یہ تبدیلی اسے اچھی معلوم اور اس کی فکر بھی کچھ کم ہوگئی۔ وہ بطور مشق تھوڑی تھوڑی دیر اُڑتی اور پھر زمین پر اُتر آتی اُڑتے ہوئے اس کو زمین پر ہونے والی روشنیاں بالکل ستاروں کی مانند معلوم ہوتیں۔ وہ اس نظارے سے بہت محظوظ ہوتی۔ اس کا ارمان تھا کہ وہ ذرا دور تک اڑے اور دیکھے کہ آس پاس کے علاقوں میں کیا ہو رہا ہے۔ آخر اُس نے ہمّت کر ہی لی۔

وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر "چنگ این" مندر کے باہر ایک جادو کا درخت تھا۔ اس کے اندر یہ صفت تھی کہ اگر اس کی کوئی شاخ کاٹ دی جائے تو فوراً اس کی جگہ ایک نئی شاخ نکل آتی تھی۔

مندر کا ایک پجاری اس 'خاص' درخت کی خود حفاظت کیا کرتا تھا۔ ہر روز صبح بڑی پابندی کے ساتھ وہ اس کا معائنہ کرتا تھا کہ آیا درخت صحیح حالت میں ہے اور یہ کہ اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔ مگر کچھ دنوں سے وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس درخت کی شاخیں کھا جاتا ہے۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ چور کو پکڑ کر رہے گا خواہ کچھ ہو جائے۔

ایک رات پُجاری چھُپ کر بیٹھ گیا اور چور کا انتظار کرنے لگا۔ چاند کی روشنی گاؤں اور جنگل میں پھیلی ہوئی تھی۔ فضا بالکل خاموش تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے بستروں میں دبکے لحافوں کے مزے لے رہے تھے کبھی کبھی کتّے کی بھونکنے کی آواز آجاتی تھی اور بس۔ تب اچانک پجاری نے آسمان میں ایک ہلکی سیٹی کی آواز سنی۔ وہ دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ بڑی ہلکی آواز کے ساتھ ایک سفید سی چیز نیچے اتری اور درخت کے قریب جاکر اس نے شاخوں کو کھانا شروع کر دیا۔ چاند کی روشنی میں جو کچھ وہ دیکھ سکا وہ اس کے لمبے لمبے بال تھے جو بھیڑ کے اُون سے مشابہ تھے۔

پجاری نے ذرا آواز نہ نکالی وہ جانتا تھا کہ یا تو یہ کوئی روح ہے ورنہ کوئی غیر فانی شے۔ اصل چیز تو وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر یہ ہے کون۔

جب وہ شے خوب پیٹ بھر کر درخت کی شاخیں کھا چکی اور اسی طرح اُڑ گئی جس طرح آئی تھی تب پجاری اُٹھا اور یہ معمہ حل کرتے کرتے ہی سو گیا۔ صبح جب پُجاری بیدار ہوا تو اُس نے ایک ترکیب سوچ لی تھی۔

اُسی رات کو اس سے پہلے کہ وہ چھُپ کر آنے والے کی تاک میں بیٹھے اس نے درخت کے نیچے ایک میز بچھائی اور انتہائی لذیذ اور خوش بو دار کھانے چُن دیے۔

یہ اچھا خاصا ایک جال تھا جو پجاری نے بچھایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر آنے والی شے کوئی غیر فانی..... ہے تو وہ کھانے کو چھوئے گا تک نہیں اور اگر وہ کوئی بدرُوح

ہو تو اسے مزے لے لے کر کھا جائے گی۔ اس طریقے سے وہ معلوم کرلے گا کہ دراصل وہ ہو کون تاکہ اس سے نپٹا جا سکے۔ جب وہ اپنی جگہ چھُپ کر بیٹھا تو اس نے اپنے ساتھ اپنی جادُو کی تلوار بھی رکھ لی۔ تاکہ اگر وہ کوئی بدروح ہو تو اس سے نپٹا جا سکے۔ اور اگر وہ کوئی غیر فانی چیز نکلی تو سوائے اس کے کہ وہ اُس سے درخواست کرے اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

مقررہ وقت پر سفید نامعلوم چیز زمین پر اتری۔ مگر اس بار وہ درخت کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہری کہ اس کو لذیذ کھانوں کی خوش بو آگئی تھی جو درخت کے نیچے ہی رکھا تھا۔ بہت ہی خاموشی کے ساتھ وہ اڑی اور نیچے کھانے کی میز پر پہنچ گئی اور بے تحاشا دونوں ہاتھوں سے اُس نے کھانا شروع کر دیا۔

پجاری نے اب پہچان لیا تھا کہ وہ ایک بدروح ہے۔ وہ جادو کی تلوار نچاتا ہوا ایک دم بدروح کے سامنے کود پڑا اور اس نے بہادری کے ساتھ چلاّ کر پوچھا، "تم کس قسم کی بدروح ہو؟"

خوف زدہ بدروح نے بہت کوشش کی کہ وہ جان بچا کر اُڑ جائے لیکن اس جادوئی تلوار کے آگے اس کی ایک نہ چلی اور اس نے مارے ڈر کے رونا شروع کر دیا، بہادر پجاری نے اپنا سوال ایک بار پھر دُہرایا۔

سفید بدروح جو پجاری کے سامنے عاجزی سے جُھک گئی تھی اُوپر دیکھا اور کہا، "میں شاہو خاندان کی ہونے والی بہو ہوں۔ میں نے ان کے جادوئی درخت کو تباہ کر دیا تھا۔ میری ہونے والی ساس مجھے مارنے کے لیے دوڑی وہ مجھے جان سے مار دینا چاہتی تھی میں ڈر کے مارے پہاڑوں میں بھاگ آئی اور کھانے کے لیے کچھ نہ ہونے کی صورت میں میں "پائن ٹری" کی شاخوں پر گزارہ کرنے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد میرے جسم پر یہ سفید لمبے بال اُگنے لگے اور میں نے ان کی مدد سے اڑنا شروع کر دیا۔ اس درخت کی شاخیں بہت میٹھی اور لذیذ ہیں اور چوں کہ ان میں یہ صفت ہو کہ فوراً دوبارہ اُگ آتی ہیں اس لیے میرا خیال ہو کہ آپ کا کوئی ایسا نقصان بھی نہیں ہوا ہوگا۔ میرے کرم فرما، میں رات کو اسی لیے آتی تھی کہ کسی کو معلوم نہ ہو اور میں پوشیدہ رہوں۔ آج جبکہ مجھے لذیذ اور خوش بو دار کھانے کھائے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا، مجھ سے ضبط نہیں ہو سکا اور میں کھانے پر ٹوٹ پڑی اس کے لیے آپ، مجھے اُمید ہو معاف فرمائیں گے۔"

پجاری اب تک عجیب تذبذب میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بدروحوں سے معاملگی میں ہمیشہ احتیاط برتنی چاہیے ایسے موقع پر یہ جھُوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔

تب وہ سنبھلا اور بولا، "اگر یہ سچ ہو کہ تم "شاہو" خاندان کی ہونے والی بہو ہو، تو تمھیں ابھی میرے ساتھ اُن کے گھر چلنا پڑے گا۔"

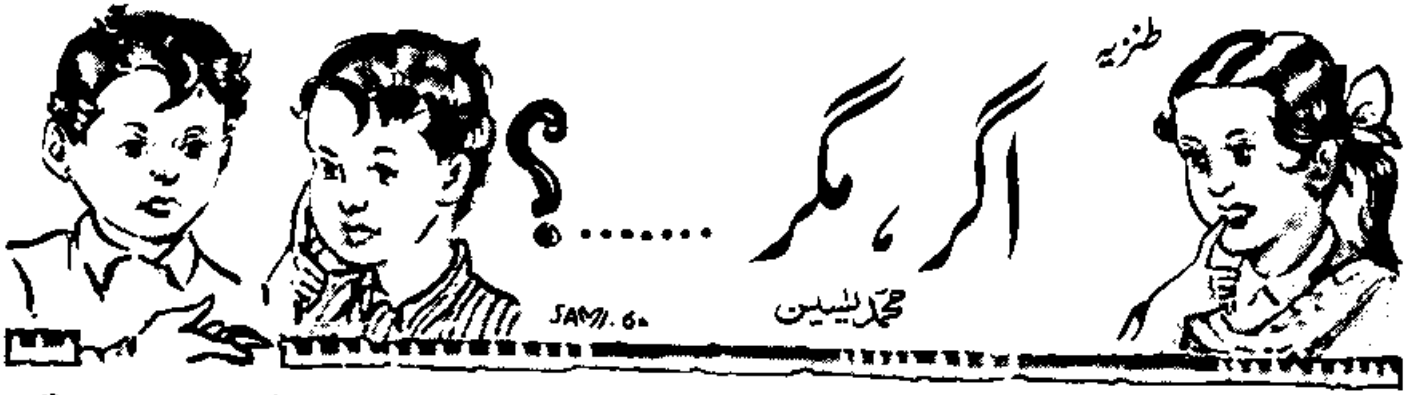
بے چاری "بدروح" خوف سے کانپ گئی اور اس نے عاجزی سے کہا، "مگر میری ہونے والی ساس جونہی مجھے دیکھے گی مجھے مار ڈالے گی۔" بدروح کے اس جواب پر پجاری مطمئن ہو گیا اور سمجھ گیا کہ بدروح ایک جوان لڑکی ہو۔ کیوں کہ وہ اس کی ہونے والی ساس کے سخت مزاج سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔

تب وہ نرمی کے ساتھ بولا، "تم یہاں مندر میں رات گزار سکتی ہو، کل میں تمھیں تمھارے گھر لے چلوں گا۔ مگر ڈرنے کی کوئی بات نہیں تمھیں آنچ تک نہیں آئے گی۔" اس رات لڑکی عرصہ دراز کے بعد آرام دہ بستر پر سوئی۔

اگلے روز پجاری لڑکی کو لے کر "شاہو" کے گھر گیا۔ چوں کہ شاہو کو روحوں سے بہت عقیدت تھی اور وہ ان کی بہت عزت کرتی تھی، اس لیے اس نے لڑکی کو کچھ نہیں کہا اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

چند مہینے عام روزمرّہ کا کھانا کھاتے رہنے سے لڑکی کے جسم سے بال آہستہ آہستہ غائب ہو گئے اور وہ ایک بار پھر حسین ترین لڑکی بن گئی چوں کہ ہونے والی ساس نے اسے عمدہ عمدہ کپڑے پہننے کے لیے دے دیے تھے اور اس سے کوئی سخت کام بھی نہیں لیتی تھی اس لیے وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت معلوم ہونے لگی۔

کچھ دنوں بعد شاہو کے دوسرے لڑکے سے اس کی شادی ہو گئی اور وہ، اس کی ساس اور اس کا خاوند ہنسی خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔



طنزیہ

اگر، مگر......؟

محمد لیٰسین

آج کل امتحانات کا دور دورہ ہے۔ کچھ بچّے ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے تمام سال کھیل کود میں ضائع کیا ہوگا اور ان کو یقین ہوگا کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اُن کے لیے ذیل میں چند "عذرِ لنگ" پیش کیے جاتے ہیں:

۱ امتحان کے وقت میرے سیدھے ہاتھ میں چوٹ لگی ہوئی تھی......

۲ کمرۂ امتحان کا ماحول اس قابل نہ تھا کہ یکسوئی سے کام کیا جاسکے......

۳ میں نے اس مضمون کا مطالعہ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے کیا تھا۔ ظاہر ہے میں فنی سوالات کا جواب دینے سے معذور تھا۔

۴ میں نے تو جوابات ٹھیک دیے تھے کچھ مُمتحن کی غلطی ہے۔

۵ بس یہی ایک مضمون ایسا ہے جس میں مجھے کم نمبر ملے اور میں فیل ہو گیا۔

۶ امتحانات سے چند ہی روز قبل استادوں نے بتایا کہ اس مضمون کو آسانی سے سمجھنے کے لیے فلاں فلاں پانچ چھے مصنفوں کی کتابیں پڑھو۔ ہم نے اس پر عمل کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔

۷ بہت سے لڑکوں نے جو میرے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے میری خوب نقل کی۔ اسکے باوجود مجھے ان کے مقابلے میں کم نمبر ملے یہ واقعی غیر منصفانہ ہے۔

۸ نہ معلوم کیا بات ہے کہ امتحانات کے ہی زمانے میں میرا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔

۹ میں اپنے کالج سے بہت دُور رہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جس وقت آپ نے مجھے نمبر دیے آپ کو کم از کم اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے تھا۔ آپ فاصلے کو کیسے نظر انداز کرسکتے ہیں۔

۱۰ مجھے اسکول کے بعد بھی رات میں پارٹ ٹائم کام کرنا پڑتا ہے مجھے کم از کم اس کی رعایت ملنی چاہیے تھی۔

۱۱ میرا پرچہ بہت زیادہ عمدہ ہوتا، اگر مجھے وہ سوال حل کرنے کے لیے دیے جاتے جو میرے برابر والے طالبِ علم کو دیے گئے تھے۔

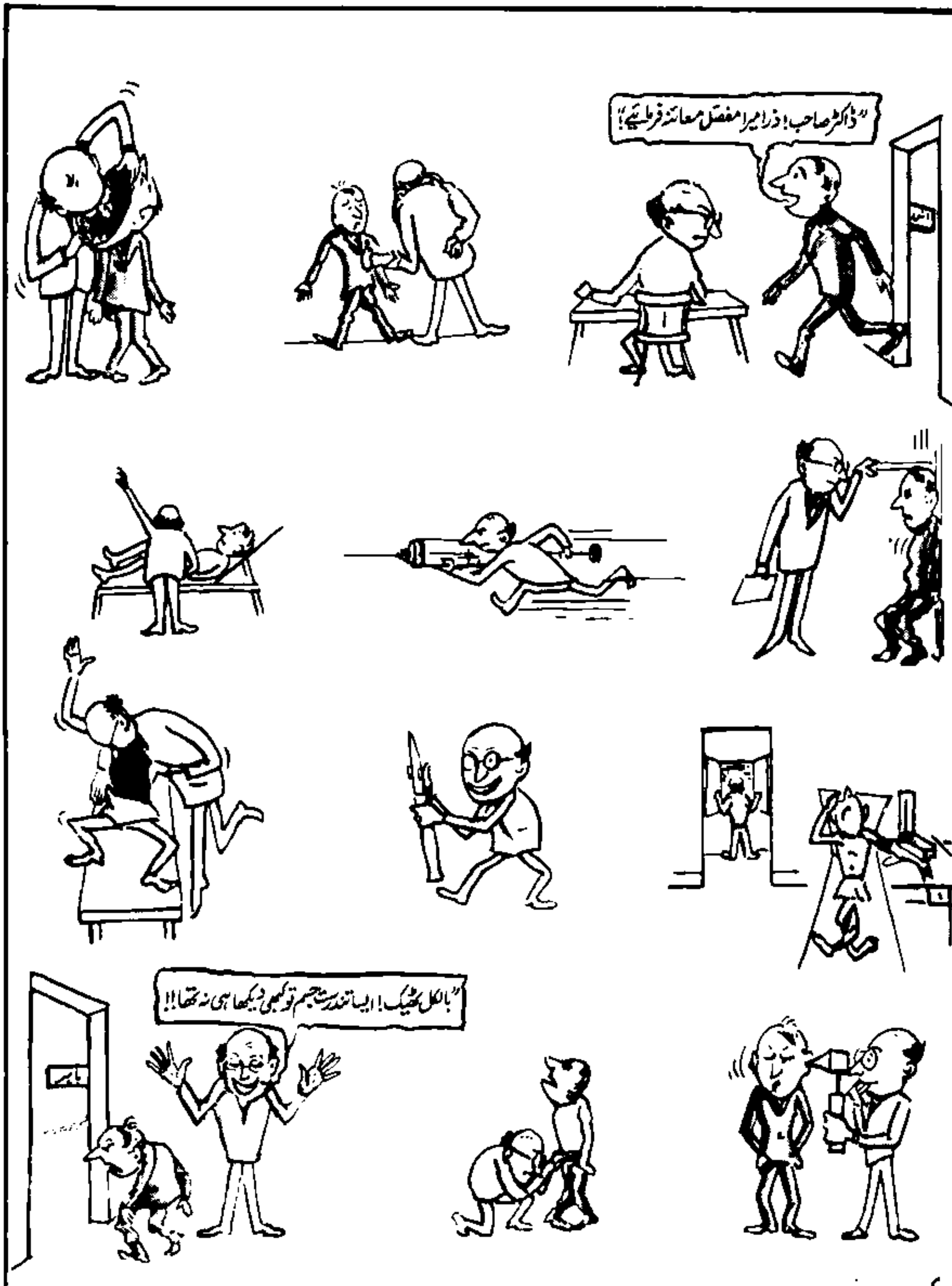
۱۲ میں زیادہ اچھا پرچہ اس لیے نہیں کرسکا کہ میں بہت ایمان دار ہوں......

۱۳ میری یہ خواہش نہیں ہے کہ میں دوسروں کے خلاف کچھ کہوں۔ لیکن......

* * * * * *

قابلِ غور

عام طور پر امتحانات میں ناکامیابی کی وجہ آج کا کام کل پر چھوڑنے کی عادت ہوتی ہے۔

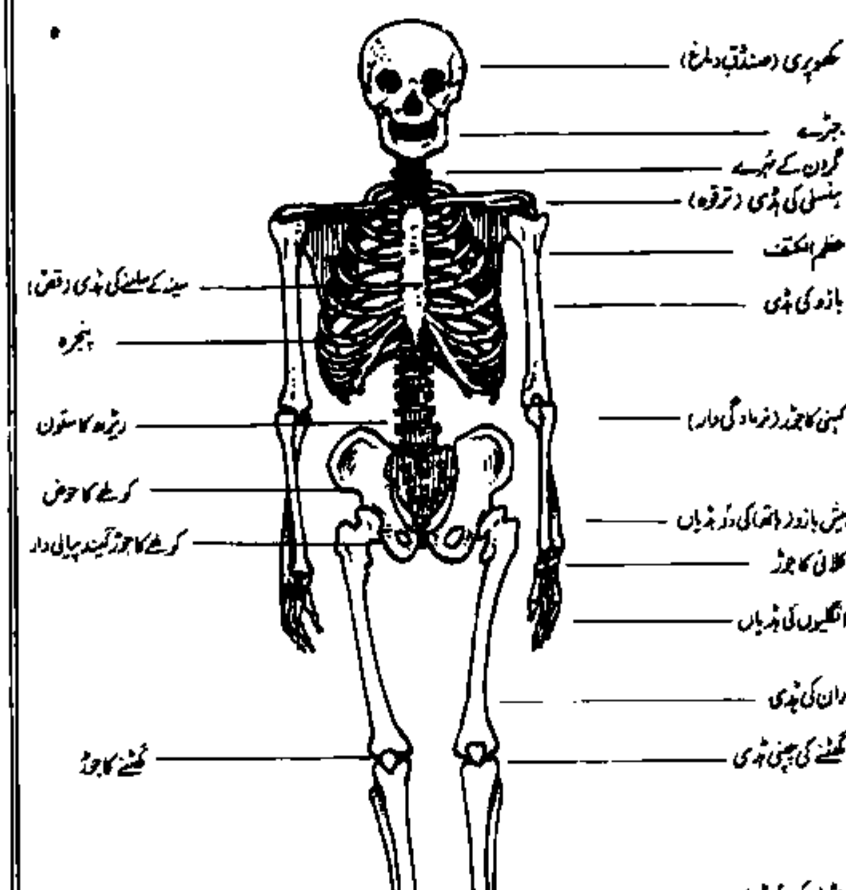

"ڈاکٹر صاحب! ذرا میرا مفصل معائنہ فرمائیے!"
"بالکل ٹھیک! ایسا تندرست جسم تو کبھی دیکھا ہی نہ تھا!!"

انسان کی کہانی

اِنسانی بدن کی حیرتناک مشین

انسان تمام مخلوقات میں بہترین اور کامل ترین مخلوق (اشرف المخلوقات) ہے، اور انسانی بدن کی مشین قدرت کی کاریگری کا سب سے زیادہ عجیب و غریب اور پیچیدہ ترین نمونہ ہے۔ اس مشین کے سب پُرزے اپنے اپنے کاموں کے لیے خاص وضع اور موزوں ترین محل و مقام رکھتے ہیں، اور حالت تندرستی اور مناسب حالات میں اپنے اپنے فرائض نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ سانس ہر آن بلا احساس بے دھڑک چلتی رہتی ہے۔ بھوک کے وقت غذا کا نوالہ اور پیاس بجھانے کے لیے پانی کا گھونٹ بلا رکے ٹوک حلق سے نیچے گزر جاتا ہے، زبان کڑوا، میٹھا، نمکین، پھیکا ہر قسم کا ذائقہ پہچان کر محسوس کرتی ہے، غذا ہضم کے مختلف مرحلے طے کر کے مفید اور ضروری اجزا کو جزوِ بدن بناتی ہے، بے کار اجزا کے فضلات بنتے اور باہر نکالے جاتے ہیں، بدن کی حرارت موسم، مقام، کام یا آرام اور ضرورت کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، دل کی دھڑکن کے ساتھ خون تمام رگوں میں پھیل کر بدن میں چکر لگاتا رہتا ہے۔ آنکھیں دیکھتی اور کان سنتے ہیں، سردی گرمی، دُکھ درد، سکون آرام، تکان وغیرہ کا جلد اور بدن کو احساس ہوتا ہے، دماغ میں خیالات اور جذبات کی موجیں ٹھاٹھیں مارتی ہیں۔ غرض یہ اور ایسے بہت سے کام ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں کانوں کان خبر نہیں ہوتی کہ یہ سارا ہنگامہ کیسے اور کہاں برپا ہوا؟ اور کن کن کل پُرزوں نے اس میں حصہ لیا۔

ہمارے بدن کا ڈھانچہ



کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ بدن کی یہ حیرتناک پیچیدہ مشین کس طرح اور کیوں چل رہی ہے؟ اس کے پرزے کون کون سے اور کہاں کہاں واقع ہیں ان کے خاص خاص کام اور نام کیا ہیں؟ ان کی کارگزاری قایم رکھنے کی کیا ترکیبیں ہیں؟ ان کی خرابیاں کیسے دُور کی جاسکتی ہیں، اور کارگزاری بڑھانے کے کیا طریقے ہیں؟

ایک گھڑی ساز پہلے گھڑی کے پُرزوں کی واقفیت حاصل کرتا ہے، ان کے نام مقام اور کام کو جانتا سمجھتا ہے، اور پھر ضرورت کے وقت اُنکے بگاڑ کو درست کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی طرح آپ کا بھی پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے بدن کے کل پُرزوں اور اُن کے کاموں سے واقف ہوں، تاکہ خدانخواستہ اگر کبھی جسمانی مشین میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے تو اُس

کی مرمت میں آسانی ہو۔

آئندہ اشاعتوں میں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اعضائے بدن کے حالات اور اُن کارگزاریوں کے متعلق مختصر بیانات کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔ جو اُمید ہے کہ دل چسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ حکیم

"بر رسولاں بلاغ باشد و بس"

بدن کا ڈھانچہ اور فائدے: ہمارا بدن گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا ہے۔ یہ قدرت کی عجیب کاری گری ہے کہ ہمارے بدن کے بیرونی چکنے پوست اور نرم لوچدار گوشت کے نیچے سخت اور مضبوط ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ یہ ڈھانچہ بدن کا سہارا ہے اور اس کا سارا بوجھ سنبھالتا ہے؛ بدن کے اندرونی نرم حصّوں کو ان کی صحیح جگہ پر قایم رکھتا اور دباؤ یا چوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ڈھانچہ کی ہڈیاں ضرورت کے لحاظ سے کہیں لمبی، کہیں گول موٹی اور چھوٹی اور کہیں پتلی چپٹی یا چوڑی چکلی ہوتی ہیں۔ ہڈیوں میں کہیں جوڑ ہوتے ہیں، جن کی مدد سے ہم ہاتھ پیر موڑ یا پھیلا سکتے ہیں، چل پھر سکتے ہیں اور بدن کو ہلا جلا سکتے ہیں۔ ڈھانچہ کی سب ہڈیوں کی تعداد (۲۴۶) ہے

ریڑھ کا ستون: ڈھانچہ کی تصویر کو غور سے دیکھیے تو اس میں ہڈیوں کی ایک خاص اور حیرت ناک ترتیب نظر آئے گی۔ درمیانی یا دھڑ کے حصّے میں پیٹھ کی طرف بیچوں بیچ میں ایک لمبا ستون یا کھمبا ہے، جو پورے ڈھانچہ کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ ریڑھ کی (۲۶) گول حلقہ دار موٹی چھوٹی چھوٹی ہڈیوں (مُہروں) سے بنتا ہے؛ جو تسبیح کے دانوں کی طرح پروئی ہوئی تلے اوپر رکھی ہوئی ہیں اور جن کے بیچ میں ایک سوراخ یا نالی ہے جس میں حرام مغز کی لمبی ڈوری محفوظ رہتی ہے۔ یہ ڈوری اوپر جا کر دماغ سے مل جاتی ہے۔ اوپر اس سخت ستون کے سرے پر سر یعنی کھوپڑی قائم رہتی ہے اور نیچے کے سرے پر دُمچی کی ہڈی ہے، ریڑھ کے اس ستون میں چار خم ہوتے ہیں اس کے چھوٹے چھوٹے بہت سے مُہروں میں یہ حکمت ہے کہ ان کے درمیان میں کئی جوڑ موجود ہیں، جن کی وجہ سے ہم پیٹھ کو بہ آسانی جھکا سکتے ہیں اور ستون پر زیادہ زور بھی نہیں پڑنے پاتا۔

کھوپڑی: سر کی بالائی پیالے نما چپٹی ہڈیوں کے باہم ملنے سے گویا ایک صندوق بن جاتا ہے جس کے اندر دماغ محفوظ رہتا ہے (صندوقِ دماغ)، کھوپڑی کے سامنے اور نیچے کی ہڈیوں سے چہرہ اور جبڑے بنتے ہیں۔

سینہ: سینہ کے حصّے میں ریڑھ سے دائیں بائیں بارہ بارہ پتلی خمدار ہڈیاں پیچھے سے آگے کی طرف کمان کی طرح پھیل کر پسلیاں بناتی ہیں۔ ان کے سرے سامنے کی طرف سینہ کی ایک موٹی چپٹی لمبی ہڈی (قص) کے ساتھ پیوست ہو کر گویا ایک پنجر یا پنجرہ بنا دیتی ہیں۔ جس کے اندر دل اور پھیپھڑے محفوظ رہتے ہیں۔ پسلیاں نرم اور لچکدار ہوتی ہیں، جس سے سینہ کے پھیلنے اور سانس کے آنے جانے میں آسانی ہوتی ہے۔

کولھا: نیچے بڑھ کر، ریڑھ کا ستون کولھے کی حوض نما ہڈیوں کو سہارتا ہے۔ اور اس حوض کے دونوں طرف ٹانگوں کی لمبی ہڈیاں لگی ہوئی ہیں، جس سے کولھے کا جوڑ بنتا ہے۔

کندھا: اوپر، دونوں طرف بازوؤں کی لمبی ہڈیاں پیچھے کندھوں کی چوڑی چکلی پتلی ہڈی (عظم الکتف) سے، اور سامنے ہنسلی کی ہڈی (ترقوہ) سے لگی ہوتی ہیں، جس سے کندھے کا جوڑ بنتا ہے۔

بازو، ہاتھ، اور ران اور پنڈلی کی لمبی ہڈیاں ٹھوس نہیں ہوتیں بلکہ ان کے اندر ایک نالی ہوتی ہے، جس گودا بھرا ہوتا ہے۔ جو ان کو خون کی غذا پہنچاتا ہے۔ اس نالی کی موجودگی سے یہ ہڈیاں کمزور نہیں بلکہ زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ اسی طرح کھوپڑی کی چپٹی ہڈیاں دو تہوں سے بنتی ہیں — اوپر کی تہہ سخت، اندرونی تہہ اسفنج کی طرح جالی دار ہوتی ہے، جس سے یہ زیادہ مضبوط بن جاتی ہیں۔

ہڈیوں کے جوڑ: بھی حیرت ناک ہوتے ہیں۔ جوڑوں میں ایک ہڈی پر پھسل کر حرکت کر سکتی ہے۔ یہاں ہڈیوں کے سرے نہایت چکنے ہوتے ہیں، اور انھیں ایک چپ چپی رطوبت چکنا کر کے برابر تر رکھتی ہے۔ بعض جوڑ (مثلاً کہنی کے جوڑ) نرمادگی دار (HINGED) ہوتے ہیں اور بعض (مثلاً کندھے اور کولھے کے جوڑ) میں ایک ہڈی کا سرا گول گیند نما ہوتا ہے، جو دوسری ہڈی کی پیالی نما گڑھے کے اندر گھوم کر حرکت کرتا رہتا ہے (BOLL & SOCKET JOINT)

چھوٹے بچوں کی ہڈیاں شروع میں نرم ہوتی ہیں اور دباؤ یا چوٹ سے (ہری ڈالی کی طرح) جلد جھک کر ٹیڑھی ہو سکتی ہیں مگر بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ہڈی میں چونے کا جماؤ زیادہ ہونے سے سختی اور مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے۔



پھوڑے پھنسی کا ایک علاج

مگر بہتر ہے صافی استعمال کریں

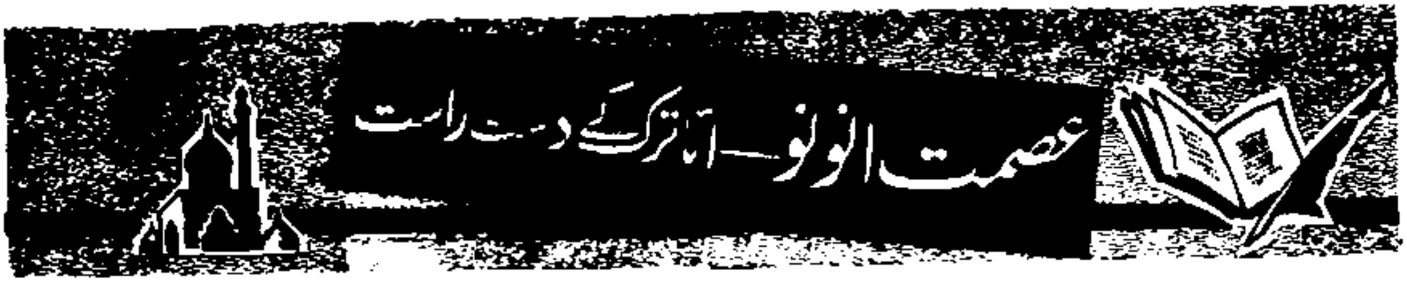
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

ہمدرد



ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان - کراچی - ڈھاکہ - لاہور - چاٹگام

UNIK-SF-1-60



کچھ عرصہ ہوا، حکیم محمد سعید صاحب دہلوی (چیرمین ہمدرد ٹرسٹ کراچی)، اپنے برادر مکرم حکیم عبدالحمید صاحب کے ہمراہ یورپ کے چند بڑے ملکوں کی سیاحت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ دورانِ سفر میں انھوں نے سوچا کہ اس سیر و سفر کے حالات قلم بند کرلیے جائیں۔ چناں چہ وہ برابر اپنا روزنامچہ لکھتے رہے اور کراچی پہنچنے کے بعد مزید تاریخی اور جغرافیائی حالات کے اضافوں کے ساتھ ایک کتاب "یورپ نامہ" مرتب کر دی جو ابھی شائع ہوئی ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس دلچسپ اور معلومات سے لبریز کتاب کے بعض حصے ہمدرد نونہال پڑھنے والوں کے سامنے پیش کیے جائیں۔ چوں کہ آج کل ترکی کے اندرونی معاملات تشویشناک ہیں اور خبروں میں عصمت انونو کا نام بار بار آرہا ہے، اس لیے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس کتاب میں سے اُس مردِ مجاہد کے حالات نقل کر دیے جائیں جو اتاترک کی کامیابی میں برابر کے شریک تھے اور جن کی کوشش سے ترکی نہ صرف یورپ بلکہ ساری دنیا میں منھ دکھانے کے لائق ہوگیا۔ ہم نے بچوں کی آسانی کے لیے سفرنامے کے بعض حصے چھوڑ دیے ہیں جو ان کی سمجھ سے بالا ہیں۔ (محمد یٰسین)

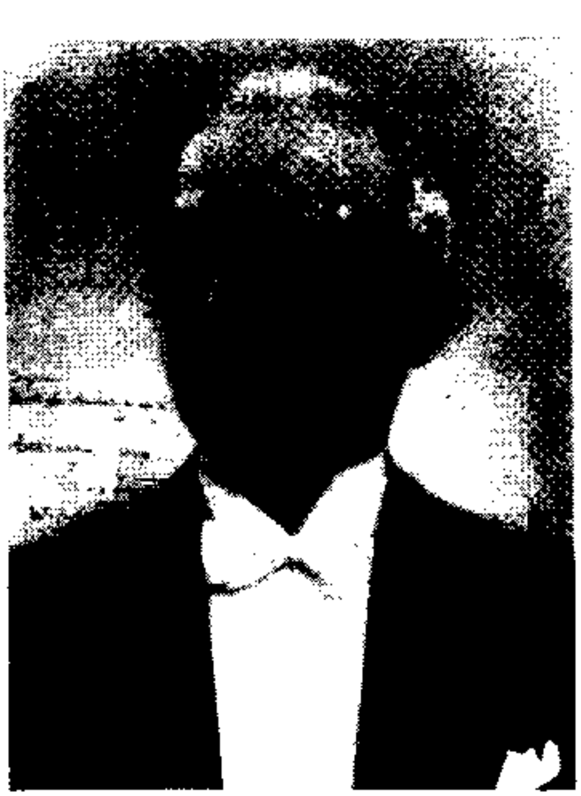
اب ہمیں اتاترک کے دستِ راست غازی عصمت انونو سے ملاقات کے لیے جناب قاسم گلک کے ہمراہ ان کی قیام گاہ پر جانا تھا۔ وقت کا تعین بھی ان ہی کی معرفت ہوا تھا اور برکات صاحب ان کے پُرانے واقف کار ہیں۔ لہٰذا ہم سب ان کی کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ ہمیں وہاں پہنچنے میں چند منٹ کی دیر ہوگئی، اس لیے وہ باغیچے میں ٹہل ٹہل کر ہمارا انتظار کرنے لگے تھے۔ بہرحال کچھ دیر ان سے ملاقات رہی اور پھر سب ان کی کوٹھی سے روانہ ہو گئے تاکہ غازی موصوف کی قیام گاہ پر ہم وقت پر پہنچ جائیں۔

ایک بلند قامت ترک نے ہمارا خیر مقدم کیا اور ہمیں کمرۂ انتظار میں بٹھا دیا۔ دراصل یہی ان کی نشست گاہ بھی تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک ذرا پستہ قد، سُرخ و سفید خوب رو انسان ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ ہم سب ادب کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ ان سے ہاتھ ملا، تعارف ہوا اور آمنے سامنے ہوکر بیٹھ گئے۔

جو شخص بھی عصمت انونو کے کارناموں سے واقف ہو اور جس کے دماغ میں ان کی یاد تازہ ہو، اس پر ان کی عظمت اور بڑائی کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ مجھ پر یہ اثر ہوا اور ضرور ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بڑی شخصیت، عظیم جرنیل، اعلیٰ مفکر اور اچھے سیاست داں سے مل رہا ہوں۔ وہ خود ذرا اُونچا سنتے ہیں اس لیے دوسروں کو ذرا اُونچی آواز میں بولنا پڑتا ہے، مگر وہ خود بہت آہستہ اور نرم آواز میں بولتے ہیں۔ تصویروں میں جن لوگوں نے غازی موصوف کو دیکھا ہے

دراصل وہ اس سے بہت ہی مختلف ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ اب عمر بڑھنے اور ضعیفی آجانے کے بعد مختلف ہو گئے ہیں۔ انھوں نے ازراہ کرم اپنی ایک حالیہ تصویر اپنے دستخط کرکے مجھے عطا کی، وہ اصل عصمت انونو ہیں۔

لمبی ستواں ناک، روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، سفید بال، رخساروں کے قریب جھرّیاں ان کی لمبی عمر کا پتہ دیتی ہیں حالانکہ ان کے لب و لہجہ سے بڑھاپے کی کوئی صدا نہیں آتی۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم دونوں بھائیوں میں سے ایک پاکستانی اور دوسرا ہندُستانی ہو تو انھوں نے مسکرا کر کہا کہ پاکستان اور ہندُستان بھی جڑواں بھائی ہیں جو الگ ہونے پر بھی ایک ساتھ ہیں۔ اب بھی دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہوں گے اور اگر ایک پر کوئی مصیبت آئے تو دوسرا ضرور متاثر ہوتا ہوگا۔



انھوں نے مجھ سے سوال کیا کہ پاکستان کا کیا حال ہو؟ میں نے "اچھا ہو" جواب میں کہا۔ اس پر وہ مُسکرائے اور دُعا کی کہ وہاں استحکام نصیب ہو۔ ہمدرد دواخانوں اور ان کے مقاصد کا ذکر بھی آیا اور مقاصدِ سفر بھی بیان کیے گئے۔ انھیں اس لحاظ سے خوشی ہوئی کہ ہم سائنس اور علمِ طب کے نئے دور میں بھی پرانے مشرقی فنِ طب کے حامی ہیں اور اسے کامیابی کے ساتھ فروغ دے رہے ہیں۔

(حکیم صاحب موصوف نے عصمت انونو سے بہت دیر بات چیت کی جو زیادہ تر سیاسی قسم کی تھی۔ ہم اسے نظرانداز کرکے ان کے حالاتِ زندگی درج کرتے ہیں جو یورپ نامے کا حصّہ ہیں۔ ایڈیٹر)

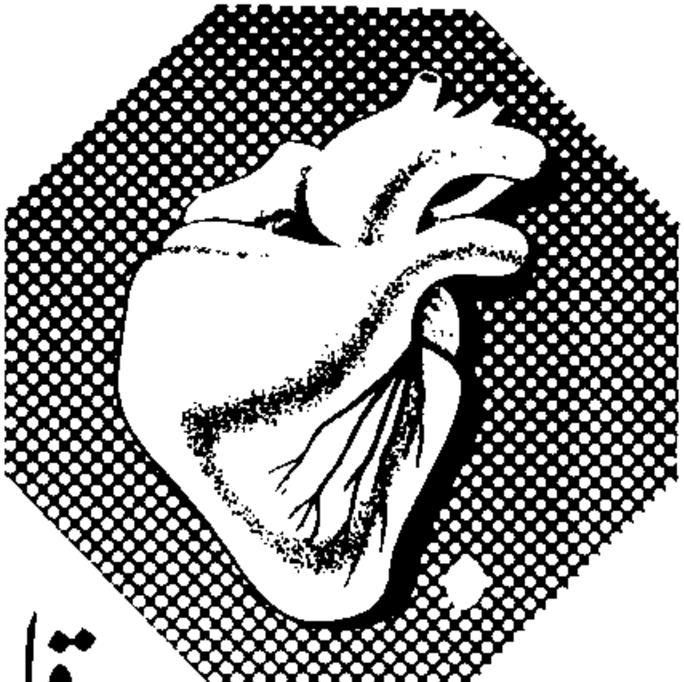
عصمت پاشا ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کو ترکی کے ایک تاریخی شہر سمرنا میں، جو اب ازمیر کہلاتا ہو، پیدا ہوئے تھے۔ یہ علاقہ ساحلِ سمندر کے قریب واقع ہو۔ ان کے والد محکمۂ بحر میں انسپکٹر جنرل تھے۔ وہ کافی آسودہ حال تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی اور پھر استنبول کے حربیہ کالج میں داخل ہوگئے جو فوجی افسروں کو تربیت دیتا تھا۔ وہ ۱۹۰۳ء میں تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر کالج سے باہر آئے تو اپنے اور بہت سے ساتھیوں کی طرح ان میں بغاوت کا مادہ پیدا ہو چکا تھا، لیکن وقت کی مناسبت کے لحاظ سے انھیں وقت کا انتظار رہا۔

۱۹۰۸ء میں جب غازی انور پاشا نے شاہی محل پر دھاوا بولا تاکہ سلطان عبدالحمید کو قومی مجلس کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے معزول کیا جائے تو عصمت انونو بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انور پاشا اس وقت وزیر جنگ تھے۔

بہت جلد وہ فوج میں اسٹاف کیپٹن بنا دیے گئے اور ۱۹۱۲ء میں جبکہ ان کی عمر صرف ۲۸ سال تھی، انھیں میجر کا رتبہ مل گیا کیوں کہ انھوں نے یمنی بغاوت دبانے میں بڑا کام کیا تھا۔

انھوں نے ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۷ء میں مشرقی سرحدوں پر روسیوں کے خلاف اور شام میں برطانیہ کے خلاف مورچے لگائے اور کامرانی حاصل کی حالاں کہ وہ محاذ خود سلطان کی مرضی سے قائم ہوئے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں انھیں وزارتِ جنگ کا انڈر سکریٹری بنا دیا گیا لیکن وہ میز کرسی پر کام کرنے کے بجائے میدانِ جنگ کے عادی ہو چکے تھے اور اسی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے بہت جلد دفتری دائرے سے نکل کر فوج میں آگئے۔ انھوں نے قاف کے محاذ پر ایسی بہادری دکھائی کہ حکومت کو

انھیں امتیازی خطاب اور تمغہ دینا پڑا۔
اسی زمانے میں مصطفیٰ کمال پاشا سے ان کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے اور یہ دونوں انجمن اتحاد و ترقی کے کاموں میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ اس وقت عصمت انونو فوج کے دوسرے دستے کے چیف آف اسٹاف بن کر کرنل کے عہدے پر پہنچ گئے تھے۔ مصطفیٰ کمال بھی کرنل تھے۔
پہلی جنگِ عظیم ختم ہوئی تو ۱۹۲۰ء میں آزادی کی جنگ کے منصوبے بنائے جانے لگے کیونکہ سب لوگ محسوس کر رہے تھے کہ اگر اس موقع پر کوئی مضبوط قدم اٹھایا گیا تو برطانیہ کی سازشوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔ انگریزوں کی چالیں ہمیشہ سے مشہور ہیں، انھوں نے جو بازی پلٹتی دیکھی تو فوج کے بعض افسروں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لینا چاہا۔ اس وقت فوج کے باقاعدہ دستوں کے ایک سربراہ ادھم پاشا تھے، جو سرکیشیا کے باشندے تھے، وہ انگریزوں کی چال میں آگئے۔ مصطفیٰ کمال نے ادھم پاشا کو حکم دیا تھا کہ عصمت پاشا کی قیادت میں یونانی حملے کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ انھوں نے یہ ماتحتی گوارا نہ کی اور عین وقت پر ٹکا سا جواب دے دیا۔ لہٰذا مورچے سنبھالنے مشکل ہو گئے لیکن عصمت پاشا نے ساری ذمّہ داری تنہا سنبھال لی۔ بعض حصے یونانیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے جو انھوں نے اپنی خاص حکمتِ عملی سے واپس لے لیے۔ یہ معرکہ ایک دیہی علاقے انونو کے قریب سر کیا گیا تھا اور چوں کہ وہ اس کے ہیرو تھے، اس لیے عام طور پر عصمت انونو کہلانے لگے اور یہ لفظ ہمیشہ کے لیے ان کے نام کا جزو بن گیا۔
اگست ۱۹۲۲ء میں یونانیوں نے انگریزوں کی شہ پاکر ایک اور حملہ کیا تو عصمت انونو وزیرِ خارجہ ہونے کے بعد لڑائی کے میدان سے دور نہ رہ سکے۔ انھوں نے باقاعدہ فوج کی کمان سنبھال لی اور دشمن پر پل پڑے۔ یہ وار بھی خالی نہ گیا۔ دشمن کی فوج کے ہزاروں سپاہی وبائی دور میں مرنے والی مکھیوں کی طرح موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ اس سے یونان میں کھلبلی سی مچ گئی تھی اور عوام نے فیصلہ کیا کہ آئندہ انگریزوں کے کہنے میں آکر ترکی پر حملہ نہ کیا جائے۔
لوزان کانفرنس کی بعض باتیں بہت دلچسپ ہیں جن سے لطف اٹھانے کے ساتھ عصمت انونو کی اعلیٰ قابلیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے خاص طور پر انگریزوں کو خوب ترکی بہ ترکی جواب دیے اور جو بات چاہتے تھے، اسے منوا لیا۔
۱۹۲۳ء میں جمہوریت قائم ہونے کے بعد جب قوم نے مصطفیٰ کمال کو پہلا صدر منتخب کیا تو انھوں نے عصمت انونو ہی کو پہلی کابینہ بنانے کی دعوت دی اور اس طرح وہ ترکی جمہوریت کے پہلے وزیرِ اعظم بن گئے۔
اس وقت ملک کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ ان کے سب ساتھیوں نے مل کر قوم کو خوش حال بنانے کا تہیہ کیا اور تمام منصوبے عمل میں لائے جو ان کی ترقی کے لیے ضروری تھے۔
افسوس ہے کہ اتاترک زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکے۔ ہمارے قائدِ اعظم کی طرح وہ بھی جلد ہی چل بسے۔ ان کی وفات کے بعد عصمت انونو جمہوریت کے دوسرے صدر منتخب کر لیے گئے۔
فرانس کا ایک مشہور مصنف مصطفیٰ کمال کو دنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں شامل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر اتاترک قوم کا دل ہیں تو عصمت انونو اس کا دماغ ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے ملک کو آزاد کرایا اور عصمت نے اسے مضبوط کیا۔ یہ ویسی ہی رائے ہے جو ہمارے ملک میں قائدِ اعظم اور قائدِ ملّت کے بارے میں قائم کی گئی ہے۔
اگلے انتخابات میں کچھ دھاندلی ہوئی اور عصمت انونو کامیاب نہ ہو سکے۔ اب بھی میری ذاتی رائے ہے کہ اگر آئندہ انتخابات میں انصاف سے کام لیا گیا تو ان کی جماعت پھر جیت جائے گی اور وہ ایک بار پھر ترکی کے صدر منتخب ہو جائیں گے اور قاسم گلک جو ہمیشہ ان کے دستِ راست رہے ہیں، نئے وزیرِ اعظم ہوں گے۔



قلب

ایک حیرت انگیز مشین

دل کا سکڑنا اور پھیلنا ایک قاعدے میں حرکت کرنا اور رگوں میں خون پہنچانا عجیب باتیں ہیں۔ جسمانی مشین کا یہی پرزہ ایسا ہے جو پیدا ہونے سے مرنے تک نہایت مستعدی باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ اگر انسان کی اوسط عمر ستر سال ہو تو وہ اتنی مدت میں ۳ ارب بار حرکت میں آکر خون کو دھکیلتا ہے۔ ہر انقباض (سکڑنے) کی مدت ۰۸۵، سیکنڈ، ہر انبساط (پھیلنے) کی مدت ۱، سیکنڈ اور دو دھڑکنوں کے درمیان آرام کا وقفہ ۴، سیکنڈ ہوتا ہے۔ دل کوئی بھاری بھرکم چیز نہیں ہے۔ اس کا وزن مشکل سے دس اونس ہوتا ہے لیکن جو کام اسے دن بھر کرنا پڑتا ہے وہ اس قوت کے مساوی ہے جو چالیس ہزار پونڈ وزن کو ایک گز نے جانے میں صرف ہوتی ہے وہ چوبیس گھنٹے میں ۲۵ ہزار پونڈ خون کو رگوں میں گردش دیتا ہے۔

قلب کی ضربات عمر، قد و قامت اور ڈیل ڈول پر منحصر ہیں۔ عمر جتنی کم ہوگی اتنی ہی تیز نبض چلے گی۔ ایک منٹ میں چڑیا کا دل آٹھ سو بار دھڑکتا ہے، چوہیا کا چھے سو بار، خرگوش کا ڈیڑھ سو بار، گھوڑے کا صرف چالیس بار۔ انسان کے نوزائیدہ بچے کی نبض ۱۳۵ بار۔ ایک سال کی عمر میں ۱۱۱، چھے سال کی عمر میں ۹۴، ۱۶ سال کی عمر میں ۸۰۔ اور بالغ ہونے پر ۷۲ بار محسوس ہوتی ہے۔ اور جب انسان اپنی طلائی جوبلی منائے تو ستاٹھ رہ جاتی ہے۔

مشروبِ مشرق **روح افزا** تیار کردہ ہمدرد

حرکاتِ قلب کو منضبط کرتا ہے مفرح اور مقوی قلب ہے

UNIK-RA-1-80



بہادر کبیر

قمر نقوی امروہوی

ارے، آج تو آنکھ مچولی بہت زور شور سے ہو رہی ہے۔ نایاب۔ شمیم۔ عالم۔ زاہد و کبیر سب ہی تو بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں، کوئی کمرے میں تخت کے نیچے تو کوئی پلنگ کے نیچے دم سادھے چھپا پڑا ہے۔ تمام کوٹھی میں شور مچا ہوا ہے۔ کبیر غسل خانے میں چھپنے کے لیے گیا تو اس نے اندر جاتے ہی ایک تانبے کا گھڑا اٹھاکر دروازہ میں رکھ دیا کچھ ہی دیر بعد ننھے شمو نے تتلاکر آواز لگائی، نایاب بھائی کھول دو... نایاب بھائی کھول دو۔ (کھول دو) نایاب یہ آواز سنتے ہی دوڑتا ہوا سیدھا کمرے میں داخل ہوا اور خاموش کھڑا ہوکر چھپے ہوئے لڑکوں کے سانس کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا. لیکن یہاں تو پہلے ہی سے سب سانس روکے ہوئے تھے۔ فوراً ہی نایاب کو یقین ہوگیا کہ غسل خانے میں بھی کوئی نہیں ہے ورنہ یہ گھڑا اس طرح راستہ میں نہ رکھا رہتا۔

کبیر نایاب کے واپس جاتے ہی باہر آگیا اور بڑے اطمینان سے ہلپ دھائی چوم کر شور کرنے لگا... کبیر۔ "واہ نایاب کہو کیسی چوٹ کھائی"

شمیم کبیر کی آواز سن کر سمجھا کہ کبیر چور ہوگیا۔ یہ نایاب کے پاس آ کھڑا ہوا۔ نایاب نے فوراً شمیم کو چھوکر چور بنا دیا۔ اب شمیم آنکھیں بند کرکے کھڑا ہوگیا تو کبیر نے سوچا اس مرتبہ تو کوٹھی سے باہر چھپنا چاہیے تاکہ کوئی پکڑ ہی نہ سکے۔ کبیر آہستہ آہستہ کوٹھی کے دروازے سے باہر نکل کر قریب کے درخت پر چڑھ گیا رات اندھیری تھی آسمان پر چاروں طرف کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ابھی کبیر کو درخت پر بیٹھے دو چار منٹ ہی ہوئے تھے کہ کبیر نے ایک درخت سے چنگاریاں گرتی ہوئی دیکھیں۔ کبیر ان چنگاریوں کو گرتا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کو خیال ہوا کہ کوئی درخت کے نیچے آگ روشن کر رہا ہوگا لیکن غور سے دیکھنے کے بعد اس کو یقین ہوگیا کہ نیچے کہیں آگ روشن نہیں تو کبیر کو ان چنگاریوں کی تحقیق کا شوق پیدا ہوا اور وہ فوراً درخت سے اُتر کر چنگاریوں والے درخت کی طرف چل دیا۔ جب وہ درخت کے قریب پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک چھوٹا سا لڑکا بیٹھا ہے جس کا ایک ہاتھ اس قدر لمبا ہے کہ جس سے وہ درخت کی تمام شاخیں ہلا ہلا کر چنگاریوں کو گراکر ہنس رہا ہے۔ یہ دیکھ کر تو کبیر کی حیرت اور بھی بڑھ گئی۔ کبیر نے دل میں طے کیا کہ اس لڑکے سے دوستی کرنی چاہیے یہ تو با کمال لڑکا ہے۔ یہ سوچ کر کبیر ذرا اور آگے بڑھا، لڑکا کبیر کی آہٹ پاکر فوراً اٹھا اور ایک طرف کو چل دیا۔ کبیر بھی اس کے پیچھے پیچھے ہولیا کچھ ہی دور ایک بہت بڑا تالاب تھا اس کے کنارے ایک مگرمچھ بیٹھا تھا. لڑکا جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے مگرمچھ کے سر پر ہاتھ پھیرا فوراً ہی مگرمچھ کا منھ کھل گیا. لڑکا مگرمچھ کے منھ میں داخل ہوگیا اور مگرمچھ کا منھ بند ہوگیا۔ کبیر نے پہلے تو مگرمچھ کے سر کو خوب ٹٹولا لیکن اس میں اسے نہ تو کوئی خاص چیز نظر آئی اور نہ ہی مگرمچھ کا منھ دوبارہ کھلا۔ ابھی کبیر اس کے منھ کو ہاتھوں سے کھولنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ مگرمچھ ایک طرف

کو کھسکنے لگا کبیر مگرمچھ کی کمر پر چڑھ گیا اور اس کو پوری مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر بیٹھ گیا مگرمچھ نے ایک دم تالاب میں غوطہ لگا دیا۔ کبیر کچھ دیر تک تو مگرمچھ کی کمر کو پکڑے بیٹھا رہا لیکن پانی کے زور نے اس کو نیچے گرا دیا۔ اب کیا تھا کبیر نے غوطے کھانے شروع کر دیے کبھی پانی کبیر کو اُوپر اُچھال دیتا تو کبیر سانس لے لیتا۔ اسی طرح کافی دیر ہوگئی۔ ایک مرتبہ جو کبیر نے غوطہ کھایا تو کبیر نے پانی کے اندر ایک چھوٹا سا روشن چراغ دیکھا۔ کبیر نے ایک پتھر کو پکڑ کے چراغ کو غور سے دیکھا وہ چراغ نہ تھا بلکہ ایک روشن پتھر تھا۔ کبیر نے جوں ہی پتھر کو ہاتھ لگایا پتھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ کبیر نے دیکھا کہ ایک زینہ ہے جو پتھر سے ڈھکا ہوا تھا۔ کبیر زینے میں اُتر گیا زینے کی سیڑھیاں اُتر کر وہ ایک اندھیری کوٹھری میں پہنچا جس میں اس قدر اندھیرا تھا کہ کوئی راستہ ہی دکھائی نہ دیتا تھا۔ کبیر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ کچھ دور چل کر اس کا ایک پیر ایک گہرے گڑھے میں جا پڑا، کبیر کوشش کے باوجود وہاں سنبھل نہ سکا اور گر کر بالکل بے ہوش ہوگیا۔

بہت دیر بعد جب اس کو ہوش ہوا تو اس نے اپنے آپ کو ایک سرسبز و شاداب میدان میں پڑا ہوا پایا۔ کبیر سخت حیرت میں پڑ گیا۔ جان بچنے کی خوشی اس کے دل میں پیدا ہوئی وہ اُٹھ کر چاروں طرف حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ بہت دور مکانات دکھائی دے رہے تھے ان کو دیکھ کر کبیر کی ہمت بڑھ گئی کبیر اُٹھ کر اس آبادی کی طرف چل دیا، جو آبادی بہت چھوٹی اور دور دکھائی دے رہی تھی وہ کبیر کے دو چار قدم چلنے پر قریب آگئی لیکن ساری آبادی کے مکانات ایک فٹ سے بڑے نہ تھے۔ اسی آبادی کے بالکل درمیان میں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا۔ ابھی کبیر ان مکانات کو کھڑا دیکھ ہی رہا تھا کہ ساری آبادی میں ننھے ننھے آدمی بھاگتے دکھائی دیے قلعہ کے دروازے پر چھوٹے چھوٹے سپاہی تیزی کے ساتھ گھومنے لگے۔ پوری آبادی میں چھوٹی چھوٹی سرخ پگڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ کانوں میں ایک ہلکی سی آواز بار بار آرہی تھی:

ہمارے عالی جاہ کا حکم ہے، شہر والو خبردار ہو جاؤ، ہماری آبادی میں ایک بڑا بھاری دیو آگیا ہے سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں چھپ جاؤ حکومت کسی کی موت کی ذمہ دار نہ ہوگی۔

آن کی آن میں ساری آبادی سنسان ہوگئی اب سوائے چھوٹے چھوٹے سپاہیوں کے کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ قلعہ کی فصیل پر بادشاہ اور اس کے وزرا کھڑے کبیر کو دیکھ کر پتلی پتلی انگلیاں اُٹھا کر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اتفاق سے کبیر کو اس وقت کھانسی اُٹھی۔ کھانسی کی آواز سُن کر تمام سپاہی اور بادشاہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر قلعے میں گھس گئے۔

کبیر ان کی یہ حالت دیکھ کر ہنس دیا۔ اس کے بعد کبیر نے ان کو اپنے ہاتھ سے بلانے کا اشارہ کیا۔ لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ جو کبیر کے پاس آکر کبیر سے بات کرلیتا۔

آخر اسی کشمکش میں رات ہوگئی اور کبیر اسی میدان میں لیٹ کر سوگیا صبح کو جب کبیر کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے پورے جسم پر باریک باریک دھاگوں کا ایک جال پڑا ہوا دیکھا جس کو کبیر نے اپنی پہلی انگڑائی ہی سے توڑ دیا اور ہنستا ہوا کھڑا ہوگیا۔ کبیر نے اُٹھ کر دیکھا کہ اس کے چاروں طرف ننھے ننھے آدمیوں کی ایک فوج ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ کسی کے ہاتھ میں چھوٹی سی بندوق تھی تو کسی کے ہاتھ میں ننھی سی تلوار۔ کبیر کے اُٹھتے ہی ساری فوج قلعے کی طرف بھاگ پڑی کبیر نے فوج کو اس طرح بھاگتا دیکھ کر اپنا ہاتھ اُن کی طرف بڑھا کر بند کرلیا۔ کبیر کے ہاتھ میں دو تین سپاہی بند ہوگئے۔ سپاہی ہاتھ کے اندر بند ہوکر گھبرا گھبرا کر شور کر رہے تھے۔

خدا کے واسطے رحم کرو جلدی ہاتھ کھولو ورنہ ہماری جان نکل جائے گی۔ کبیر نے اپنا ہاتھ کھولتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں میں تمھیں ماروں گا نہیں تم اطمینان سے بات کرو" ان

میں سے ایک سپاہی ڈرتے ڈرتے بولا "حضور کیا حکم ہو، ہمارے ننھے ننھے بچے ہیں ہم پر رحم کیجیے"۔ کبیر بولا "سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ یہ کونسی جگہ ہو"۔

ننھا سپاہی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا، "اس ملک کو لیلی پت کہتے ہیں"۔ پھر کبیر کہنے لگا۔ اچھا اب یہ بتاؤ تم سب مجھے کیا سمجھ رہے ہو جو اس قدر ڈر رہے ہو۔ ننھے سپاہی بولے، حضور یہ بات ابھی بالکل طے نہیں پائی ہو کہ آپ کون ہیں، کوئی تو آپ کو جن کہتا ہو تو کوئی دیو۔ اسی وجہ سے تو سارا شہر بند پڑا ہو۔

کبیر بولا، اچھا اب یہ بتاؤ کہ ہماری واپسی کا راستہ بھی تم میں سے کوئی جانتا ہو کہ جس سے ہم اپنے ملک واپس جاسکیں۔ یہ سُن کر ننھے سپاہی بولے، سرکار راستے کے متعلق یہ سُنا جاتا ہو کہ ہمارے بادشاہ کو معلوم ہو اور اس کو بہت بڑا راز سمجھا جاتا ہو، ہر بادشاہ اپنے بیٹے کو تاج پوشی کے وقت بتاتا ہو اور پہلے اس کا عہد کرالیتا ہو کہ وہ اپنے بیٹے کے سوا کسی کو نہ بتلائے گا۔

کبیر بولا، تو اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ تمھارا بادشاہ مجھے بھی نہ بتائے گا۔ سپاہی کہنے لگے عالی جاہ ان کی یہ ہمت تو نہیں ہوسکتی، وہ تو خود ہی چاہتے ہیں کہ جناب والا جلد کہیں چلے جائیں تاکہ شہر میں امن و امان ہوجائے اور لوگ چین سے اپنا کاروبار سنبھال لیں۔

کبیر بولا، اچھا تم کو اس شرط پر آزاد کیا جاسکتا ہو کہ تم فوراً مجھے بادشاہ سے ملاکر راستہ معلوم کرنے کی کوشش کرو گے۔ ننھے سپاہیوں نے کہا، حضور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جاتے ہی بادشاہ سلامت کو راستہ بتانے کے لیے تیار کرکے آپ کو ان سے ملا دیں گے۔ کبیر نے کہا، اچھا جاؤ لیکن تم اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو فوراً واپس آکر جواب دینا ورنہ پھر تم سب کی خیر نہیں۔ اتنا کہہ کر ننھے سپاہیوں کو کبیر نے اپنے ہاتھ سے نیچے اتار دیا۔ ننھے سپاہیوں نے سلام کیا اور خوشی سے کودتے ہوئے قلعے کی طرف بھاگ گئے۔ کبیر اُن کو دیکھ کر سوچتا رہا کہ میرے اللہ یہ بھی تیری مخلوق ہو۔ کافی دیر میں ننھے سپاہی بادشاہ کے سامنے پہنچ کر کہنے لگے۔ عالی جاہ اس وقت تو ہماری جان خدا ہی نے بچالی ورنہ کوئی صورت تو باقی نہ رہی تھی۔ بادشاہ گھبرا کر کہنے لگا کیوں کیا بات ہوگئی تھی۔ سپاہی بولے، حضور والا ہماری فوج جس وقت بھاگی تھی تو اس دیوانے نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھاکر ہمیں اس میں قید کرلیا تھا بڑی ہائے توبہ کرنے پر اس نے ہمیں آزاد کیا اگر حضور چاہیں تو اس کو یہاں سے بھگا سکتے ہیں بادشاہ نے حیرت سے دریافت کیا، ہم اس کو کس طرح بھگا سکتے ہیں تو ننھے سپاہی ہاتھ جوڑ کر بولے، سرکار وہ اپنے ملک واپس جانا چاہتا ہو لیکن اس کو راستہ نہیں معلوم۔ ہم نے اس کو اُمید دلادی ہو کہ ہمارا بادشاہ تم کو تمھارے ملک کا راستہ بتا سکتا ہو تو اس نے خوشی خوشی ہم سب کو آزاد کردیا ہو۔ بادشاہ بولا، لیکن ہم راستہ کب جانتے ہیں جو اس کو بتائیں گے۔ فوراً ایک وزیر بولا آقا یہ تو آپ نے خوب ہی کہا جس وقت عالی جاہ کی تاجپوشی ہوئی تھی اس وقت شاہ اوّل حضور مرحوم نے آپ کو کچھ بتلایا تو تھا۔ بادشاہ بولا راستہ نہیں بتایا تھا صرف یہ بتلایا تھا کہ دریا کے کنارے ایک روشن پتھر ہو جس وقت تم اس کو ایک جگہ سے ہٹا ہوا پاؤ، تم سمجھ لینا کہ تمھارے ملک کو بڑا خطرہ ہو اسمیں سے جن اور دیو آجائیں گے اور وہ تمھارے ملک کو برباد کردیں گے۔

وزیر بولا واہ حضور اتنی بات بھی سمجھ میں نہ آئی جن اور دیو جب ہی تو آئیں گے جس وقت وہاں کوئی راستہ ہوگا۔ بادشاہ بولا بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، اچھا چلو ہم ابھی اس دیو سے مل کر اس کو راستہ بتائے دیتے ہیں تاکہ یہ بلا دُور ہوجائے اور ہمارا ملک خطرے سے نکل جائے۔

(باقی آئندہ شمارے میں)



شیر

سمیع آرٹسٹ



شیر کا نام کس نے نہیں سنا ہوگا چوں کہ جنگل کا دوسرا کوئی جانور طاقت اور بہادری میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے اسے جنگل کا بادشاہ کہتے ہیں۔ اس کے جسم کا رنگ مٹیالا پیلا ہوتا ہو اور اسی پر کالے پٹے ہوتے ہیں۔ گردن، پیٹ اور پیروں کی کھال کا اندرونی حصہ سفید ہوتا ہو۔ اس کے پاؤں کے تلوے بہت ہی نرم اور گدے دار ہوتے ہیں اور قدرت نے ان میں یہ صفت رکھی ہو کہ اگر اس کے پاؤں کے نیچے ایک سوکھا ہوا پتہ بھی آجائے تو وہ نہیں ٹوٹتا اور شیر اس پر سے گزر جاتا ہو اور کسی قسم کا شور بھی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہو کہ جب شیر کسی چوپایہ کے شکار کے لیے گھات لگاتا ہو تو بغیر کسی شور وغل کے اس کے قریب پہنچ جاتا ہو اور حملہ کر دیتا ہو۔ جنگل کے دوسرے جانور اس کی بو تو سونگھ سکتے ہیں مگر آہٹ نہیں پا سکتے۔ اس کی اسی صفت کی وجہ سے جب کوئی انسان اس کا شکار کرتا ہو تو اسے بہت محتاط رہنا پڑتا ہو، خصوصاً اس کا رنگ اور اس پر کالے پٹے اس کو شکاری کی نظر سے چھپائے رکھتے ہیں اور وہ جنگل کی جھاڑیوں اور پتوں میں اس طرح گھل مل جاتا ہو کہ اس کی شناخت بہت ہی مشکل ہوجاتی ہو۔

خاندان بلی کی برادری کے دوسرے جانوروں میں شیر سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔ اس کے بدن کی بناوٹ اور اعضا کا تناسب دونوں قابل تعریف ہیں۔ بنگال کا شیر دنیا میں سب سے زیادہ حسین مشہور ہو۔ منچوریا، کاکیش اور ملایا میں بھی شیر پائے جاتے ہیں۔ سفید اور کالے شیر بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں، مگر پاکستان اور ہندوستان میں یہ قسم نہیں پائی جاتی۔



شیر ببر اور شیر میں ایک نمایاں فرق ہو: شیر ببر کے ایال ہوتی ہو اور شیر کے مٹیالے پیلے رنگ پر کالے پٹے ہیں۔ عادات و اطوار دونوں کی ملتی جلتی ہیں۔ شکار کے وقت شیر کبھی کبھی اپنی مادہ کو بھی ساتھ لے لیتا ہو۔ شیر ببر ہمیشہ اپنے گروہ کے ساتھ مل کر شکار پر حملہ کرتا ہو۔ شیر پانی میں بھی تیر سکتا ہو اور ضرورتاً پھسلنے پر درخت پر بھی چڑھ جاتا ہو۔ ویسے شیر عموماً رات کو شکار کی تلاش میں نکلتا ہو اور جنگل کے جانوروں پر حملہ کرتا ہو۔ اگر بھوکا ہو تو دن کو بھی کوئی جانور مار لیتا ہو اور اپنی بھوک مٹا کر بقیہ شکار کسی محفوظ مقام جھاڑیوں کے اندر چھپا دیتا ہو تاکہ ضرورت پڑنے اور شکار نہ ملنے کی صورت میں اسے استعمال کر سکے۔

اگر کوئی شکار ہاتھ نہ لگے تو انسان پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ ایسی حالت میں اگر ایک بار بھی اسے انسان کے گوشت کا چسکا پڑ جائے تو شیر آدم خور بن جاتا ہو اور جانور کا گوشت پسند نہیں کرتا۔ بھارت میں ایک آدم خور شیر نے ایک سال میں ۱۲۷ آدمیوں کو ہلاک کیا تھا۔ اس وقت اگر اعداد و شمار پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہو کہ تمام دنیا میں جہاں بھی شیر پائے جاتے ہیں قریب ۱۰۰۰ آدمی ہر سال ان کی خوراک بن جاتے ہیں۔ شیر بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت چالاک بھی ہوتا ہو اور آسانی سے حضرت انسان کے جال میں نہیں پھنستا۔ شیرنی کے دو سے لے کر پانچ تک بچے ہوتے ہیں۔ بچے تین سال کی عمر تک اپنی ماں کے زیر تربیت رہتے اور شکار کا فن سیکھتے ہیں۔ یہ غلط ہو کہ شیرنی کے ہمیشہ ایک ہی بچہ ہوتا ہو، ہاں مگر ایک بات تعجب کی ہو شیر جتنا بہادر، دلیر اور قد و قامت میں جتنا بڑا ہو اتنا ہی اس کا دل چھوٹا ہوتا ہو۔



شتر مُرغ

شتر فارسی میں اُونٹ کو کہتے ہیں اور مُرغ ایک پرندہ ہوتا ہے۔ شترمُرغ چوں کہ دیکھنے میں اُونٹ کی طرح معلوم ہوتا ہے اور ہوتا ہے درصل پرندہ اس لیے اس کا نام شترمرغ ہوگیا۔ اُونٹ کے متعلق مشہور ہے، "اُونٹ رے اُونٹ تیری کونسی کل سیدھی"۔ یہ مثل شترمرغ پر بھی صادق آتی ہے۔ جناب کا حلیہ مُبارک بھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھتے ہی فوراً اُونٹ کا خیال آجاتا ہے۔ شترمرغ کا وطن افریقہ اور عرب کے ریگستان ہیں۔ کھانے کے معاملے میں بھی اس کا جواب نہیں سخت سے سخت پرُزے کھا جاتا ہے۔ سفر بھی اُونٹ کی طرح کافی کرتا ہے۔ جناب کا ایک قدم کئی گز کے برابر ہوتا ہے اور جب یہ پوری تیزی سے دوڑتا ہے تو بڑے سے بڑے تیز رفتار گھوڑے کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ چاہے مقابلے پر عرب کا مشہور گھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

شترمُرغ کے بے ترتیب پر اس کی دُم اور اُوپر کو اُٹھی ہوئی پیٹھ کو دیکھیں تو پرندہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی خم دار گردن جو سیدھی کھڑی رہتی ہے اور ستون جیسے پیروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پرندہ نہیں ہے۔ گردن اور پیروں کی لمبائی ملاکر، اونچائی ۸ فٹ ہوتی ہے۔ وزن تقریباً ۱۵۰ پونڈ سے لے کر ۳۰۰ پونڈ تک ہوتا ہے۔ نر پرندے کے جسم پر نہایت خوش نما نرم، سیاہ پر ہوتے ہیں۔ شترمُرغ کے پر عام طور پر زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ اس کے پیر میں صرف دو موٹے انگوٹھے ہوتے ہیں مگر آسٹریلیا کے شترمرغ کے تین انگوٹھے ہوتے ہیں۔ تین یا چار مادہ مل کر ایک گڑھا ریت میں بنا لیتی ہیں اور اس میں رہتی ہیں۔ شترمرغ (نر) کا کام انڈوں کی دیکھ بھال کرنا ہوتا ہے، خاص کر رات کے وقت چوں کہ گیدڑ رات کے اندھیرے میں انڈے غائب کرکے کھا جاتے ہیں۔ ایک وقت میں ۲۰ انڈے سینے کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ انڈے کھانے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ایک انڈا بیس مرغی کے انڈوں کے برابر ہوتا ہے۔ انڈے کا وزن ۳ پونڈ ہوتا ہے۔ شترمُرغ کا انڈا تقریباً ۴۰ منٹ تک گرم پانی میں اُبالا جاتا ہے۔ انڈوں کے اُوپر کا چھلکا اتنا موٹا اور مضبوط ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اس کا پانی پینے کا پیالہ بنا لیتے ہیں۔ شترمُرغ کے پر خاصی قیمت میں فروخت ہوتے ہیں۔

شترمُرغ بڑا لڑاکا پرندہ ہے اور لڑتا بھی خوب ہے۔ غصّہ میں آکر جب وہ اپنی ٹانگیں گھماتا ہے تو آدمی کی حقیقت ہی کیا ہے گھوڑے تک کو مُلکِ عدم پہنچا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے خاندان کی حفاظت شترمُرغ ہی کرتا ہے۔ شترمُرغ کی مادہ چار سال میں جاکر بالغ ہوتی ہے۔ کہتے ہیں یہ پرندہ ستّو سال تک زندہ رہتا ہے۔ شترمُرغ کے متعلق روایت یہ بھی ہے کہ جب اس پر کوئی آفت آتی ہے یا کوئی درندہ شکار کی نیت سے اس پر حملہ کرتا ہے تو وہ اپنا سر مٹی میں چھپا لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں بالکل محفوظ ہوں۔

بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت





صحیح نشوونما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوّت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دارومدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔



ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

کراچی ڈھاکہ لاہور

STRONACHS



حفظ صحت

جسمانی ورزشیں

محمد یسین

بچّو! روزمرہ کی زندگی میں ورزش کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر روزانہ بستر سے اُٹھ کر پندرہ منٹ ورزش کے لیے وقف کر دیے جائیں تو نہ صرف بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے بلکہ جسم بھی خوبصورت اور سڈول بن جاتا ہے۔

ورزش شروع کرنے سے قبل تازہ اور کھلی ہوا میں گہرے گہرے سانس لیے جائیں تو اس سے پھیپھڑے طاقت ور ہوتے ہیں اور خون کی صفائی کا عمل بھی تیز تر ہو جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ روزانہ صبح سورج طلوع ہونے سے قبل گھر سے باہر کھلی اور تازہ ہوا میں کھڑے ہو کر گہرے اور لمبے لمبے سانس لیے جائیں۔

یہاں اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہوا ناک کے ذریعہ اندر لی جائے اور مُنہ کے ذریعہ باہر نکالی جائے۔ یہ عمل اگر پانچ منٹ مسلسل کر لیا جائے تو بہت ہی مفید اور صحت افزا ہے۔

اب ذیل میں چند خاکوں کے ساتھ کچھ آسان اور سادہ ورزشیں درج کی جاتی ہیں۔ ان خاکوں کی مدد سے ورزشوں کو باقاعدہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) سینہ کی ورزش

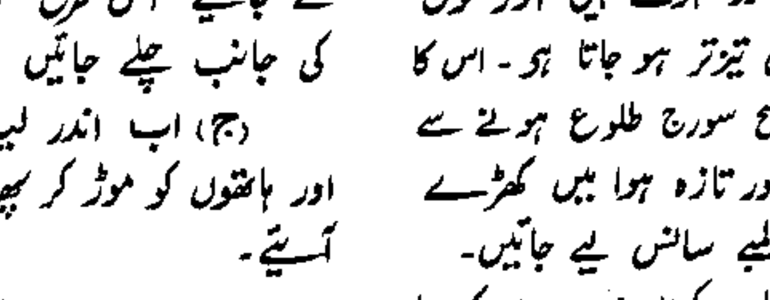
بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیے۔ اس طرح کہ آپ کے پاؤں کھلے ہوئے ہوں۔

(ا) ناک کے ذریعہ گہرا سانس لیجیے اور اپنے ہاتھ موڑ کر سینہ کے متوازی لے آئیے۔

(ب) اپنے ہاتھ آہستہ آہستہ باہر کی طرف کھولیے اور کمر کی جانب اپنے ہاتھ پھیلا کر لے جائیے اس طرح کہ آپ کے ہاتھ پشت کی جانب چلے جائیں اور سینہ باہر نکل آئے۔

(ج) اب اندر لیا ہوا سانس باہر چھوڑیے اور ہاتھوں کو موڑ کر پھر سینہ کی متوازی لے آئیے۔

(د) اب اپنے دونوں ہاتھوں کو نیچے کی جانب چھوڑ دیجیے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اِس ورزش کو دہرائیے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ ہاتھوں کے پھیلانے اور موڑنے کا عمل آہستہ آہستہ ہونا چاہیے۔



(۱) (ا) (ب) (ج) (د)

(۲) پیٹ کی ورزش

پاؤں کھول کر سیدھے کھڑے ہو جائیے اور اپنے بازو ہوائی جہاز کے بازوؤں کی طرح پھیلا لیجیے۔

(ا) نیچے جھکیے اور اپنے سیدھے ہاتھ سے اپنے الٹے پاؤں کا انگوٹھا چھوئیے۔ اس طرح کہ جھکنے میں آپ کے گھٹنے بالکل خم نہ کھائیں بلکہ بدستور تنے ہوئے رہیں۔

(ب) دوبارہ پہلے کی طرح سیدھے کھڑے ہو جائیے۔

(ج) ایکبار پھر نیچے جھکیے اور اس بار اپنے الٹے ہاتھ سے اپنے سیدھے پاؤں کا انگوٹھا چھوئیے۔

(د) پھر سیدھے کھڑے ہو جائیے اور اس عمل کو تیزی کے ساتھ کیجیے۔

(۳) ٹانگوں کے لیے ورزش

بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیے اس طرح کہ دونوں پاؤں آپس میں بالکل ملے ہوئے ہوں اور دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھے ہوئے ہوں۔

(ا) اسی حالت میں پنجوں کے بل کھڑے ہو جائیے اس طرح کہ ایڑیاں زمین سے الگ ہو جائیں۔

(ب) آہستہ آہستہ اپنے گھٹنوں کو موڑتے ہوئے پنجوں کے بل اکڑوں بیٹھ جائیے اس طرح کہ ایڑیاں زمین پر بالکل نہ ٹکیں اور کمر بالکل سیدھی رہے اور ذرا خم نہ ہو۔

(ج) دوبارہ سیدھے کھڑے ہو جائیے اس طرح کہ ایڑی زمین پر نہ ٹکے۔

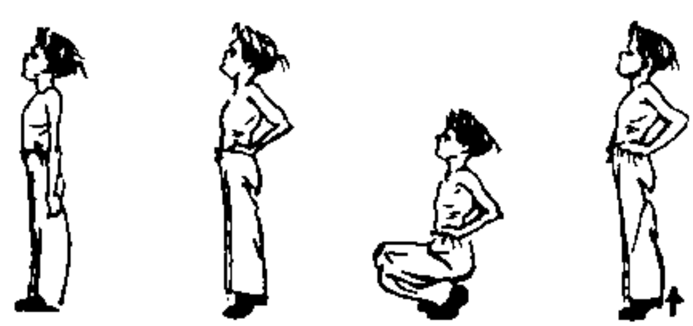
(د) ایڑیوں کو زمین پر رکھ لیجیے اور جس طرح شروع میں کھڑے ہوئے تھے اسی طرح کھڑے ہو جائیے اور اس عمل کو پانچ منٹ تک دھرائیے اور اس کے بعد دن بھر چاق و چوبند رہیے۔

(۲)

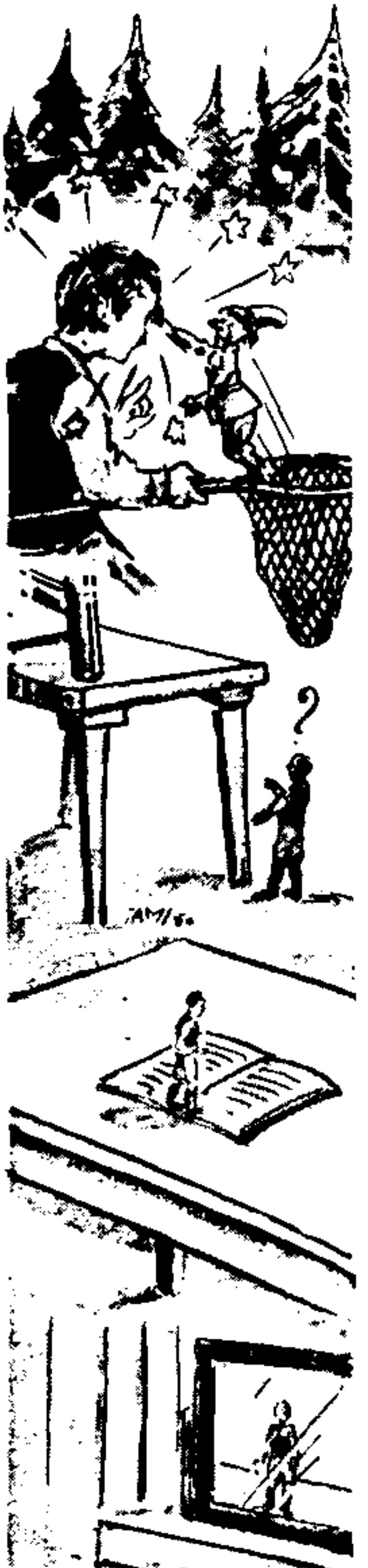


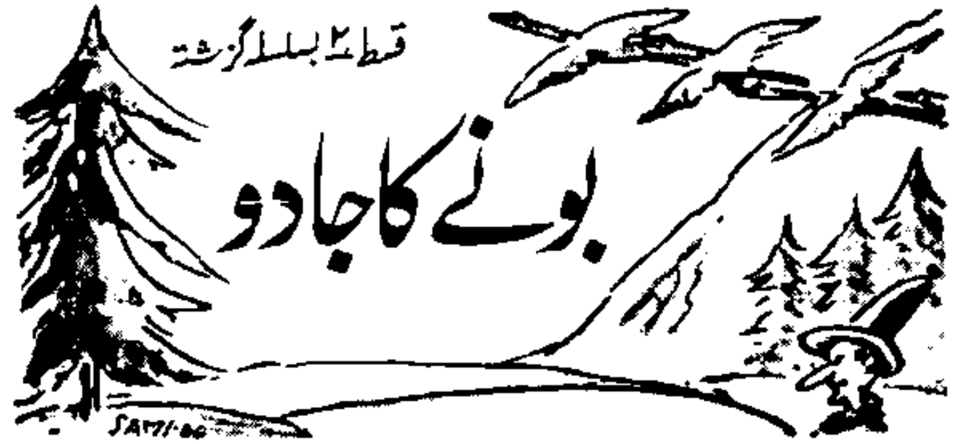
(ا) (ب) (ج) (د)

(۳)



(ا) (ب) (ج) (د)





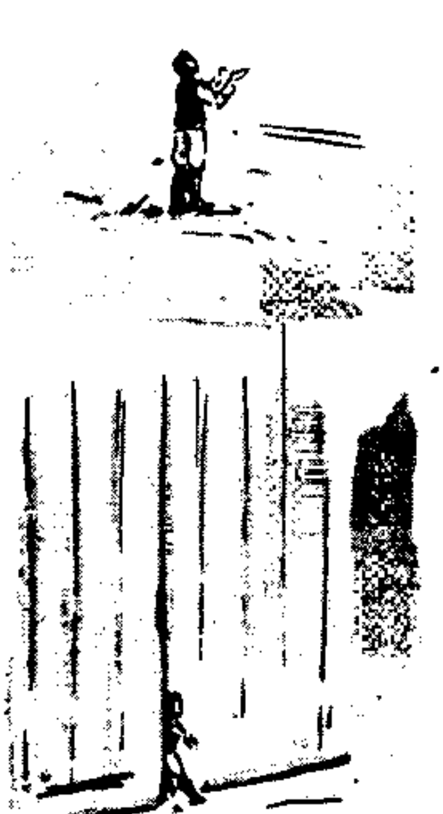
(حبیب اللہ رشدی ایم۔ اے)

یکایک نلس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں نے کتنی غلطی کی بجائے کھلونوں کے مجھے اس سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ اس دعظ کو مجھے یاد دلادے تاکہ میں پڑھنے کی مصیبت سے بچ جاؤں۔ یہ خیال آتے ہی اس نے جال کو جھٹکا دیا۔ اس کے منہ پر ایک اتنا زوردار گھونسہ لگا کہ وہ سمجھا میرا سر ہی ٹکڑے ہوجائے گا۔ اس گھونسہ کی مار سے اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔

جب نلس ہوش میں آیا تو دیکھا کہ وہ کمرے میں اکیلا ہے۔ صندوق کا ڈھکنا بند ہے اور قفل لگا ہوا ہے اور تتلیوں کا جال اپنی مقررہ کھونٹی پر ٹنگا ہوا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس کے دائیں گال پر اس گھونسے کی جلن باقی تھی۔ اگر یہ جلن محسوس نہ ہوتی تو وہ اس سارے واقعہ کو ایک خواب سمجھتا۔

بہرحال اس نے سوچا کہ یہ واقعہ اگر میں اپنے ماں باپ سے کہوں گا تو وہ یقین نہ کریں گے اور ضرور یہ سمجھیں گے کہ میں نے دعظ نہ پڑھنے کا بہانہ بنایا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس کو پڑھ ڈالوں لیکن جوں ہی وہ میز کی طرف بڑھا اُسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ کمرہ بہت طویل ہوگیا ہے، کیونکہ میز تک پہنچنے کے لیے اسے جتنے قدم لگتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ قدم چلنے کے بعد وہ میز تک پہنچ سکا۔ کرسی کو دیکھتا ہے تو وہ اس کے سر سے اُونچی ہوگئی تھی۔ اب اس کو پاس کے رکھے ہوئے زینے پر چڑھ کر کرسی کی سیٹ تک پہنچنا پڑا۔ میز بھی کرسی کی طرح بہت اُونچی ہوگئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ ہو کیا گیا ہے۔ اس کو ماننا پڑا کہ ضرور بونے نے میز کرسی اور کمرے کو جادو کے زور سے بہت بڑا کر دیا ہے۔ اب کتاب کو دیکھتا ہے تو جیسی کی ویسی میز دھری نظر آئی مگر وہ بھی اتنی لمبی چوڑی ہوچکی تھی کہ کتاب کے صفحہ پر کھڑے ہوئے بغیر ایک لفظ نہ پڑھ سکتا تھا۔ بہرحال کتاب پر کھڑے ہوکر اس نے دو سطریں پڑھیں اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اتفاقاً نظر آئینہ پر جا پڑی۔ دیکھتے ہی وہ چلاّ اٹھا "ارے اب دوسرا بونا آگیا"

وہ تھوڑی دیر آئینہ میں اس بونے کو دیکھتا رہا جو بالکل اسی کا سا لباس پہنے تھا۔







یہ دیکھ کر تعجب سے اُس کے مُنھ سے نکلا، "ہائیں" اس نے بے اختیار تالی بجائی۔ اس پر اس بونے نے بھی تالی بجائی۔ نلس نے اپنے بال کھینچے اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی چٹکی لی۔ بونے نے بھی اسی طرح اپنے بال کھینچے اور ہاتھ کی چٹکی لی۔ غرض نلس نے جو جو حرکتیں کیں، وہ بونا بھی ویسی ہی حرکتیں کرتا گیا۔ نلس پریشان ہوکر آئینہ کے اطراف گھوم گیا کہ وہ بونا کہیں آئینہ کے پیچھے تو نہیں چھپا ہوا ہے۔ لیکن اسے بونا کہیں نہیں ملا۔ لیکن جوں ہی وہ آئینہ کے سامنے آیا بونا موجود تھا۔ اب نلس خوف سے کانپنے لگا، اس کی سمجھ میں آگیا کہ بونے نے خود اُس کو بونا بنا دیا ہے اور آئینہ میں اسی کا اپنا عکس دکھائی دے رہا ہے۔

نلس کسی طرح یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ خود اب بونا بنا ہوا ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ ایک خواب کے سوا کچھ نہیں تھوڑی دیر صبر کروں تو پھر انسان بن جاؤں گا۔ یہ سوچ کر وہ آئینہ کے سامنے جا بیٹھا اور آنکھیں بند کرلیں۔ دو منٹ کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھا کہ شاید وہ کیفیت اب ختم ہوگئی ہو۔ مگر نہیں، وہ تو واقعی بونا بنا ہوا ہے۔ مگر اب اس طرح چپکے بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ؟ اس نے سوچا کہ اس بونے کو تلاش کرکے اسے منا لینا بہتر ہوگا۔ وہی مجھے اپنی انسانی حالت میں واپس لا سکتا ہے۔

نلس اِدھر اُدھر بونے کو تلاش کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ روتا بھی جاتا تھا، دعائیں بھی مانگتا جاتا تھا اور ہر قسم کے وعدے کرتا جاتا تھا کہ وہ آئندہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ کبھی شرارت نہیں کرے گا۔ ہرگز ہرگز وعظ کی کتاب پڑھتے وقت سو نہ جائے گا۔ مگر ان تمام وعدوں سے کچھ نہ ہوا۔

یکایک اسے یاد آیا کہ اس کی ماں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ بونے گایوں کے تھان میں رہا کرتے ہیں۔ یہ یاد آتے ہی وہ فوراً گایوں کے تھان میں جاکر تلاش کرنے نکلا۔ خوش قسمتی سے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ ماں باپ کے جانے کے بعد اُس نے خود اُس کو پورا بند نہ کیا تھا ورنہ وہ اب اس کو کھول ہی نہ سکتا تھا، کیونکہ اب اس کا ہاتھ دروازے کی چٹخنی تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ غرض وہ دروازے کی پتلی سی دراڑ سے آسانی سے باہر نکل گیا دروازے کے باہر چبوترے پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی تھی۔ نلس کو دیکھتے ہی اس نے چلّانا شروع کیا، "ٹی ٹی!! ارے ذرا نلس گڈّے کو تو دیکھو! ذرا اس بالشتیے کو تو دیکھو!!"۔

یہ سنتے ہی مرغیوں اور قازوں نے پلٹ پلٹ کر اس کو دیکھنا شروع کیا۔ مُرغے نے سینہ پھُلا کر زور دار بانگ لگائی، "ککڑوں کوں کوں! اچھی سزا ملی بچّہ جی کو!! ککڑوں کوں کوں! میری کلغی نوچا کرتا تھا!! ککڑوں کوں کوں!!" مرغیاں بڑبڑائیں، بہت اچھی سزا ملی

سیاں جی کو ! ہمیں بہت پریشان کیا کرتا تھا !!"

قاز سب کے سب ایک جگہ جمع ہو گئے اور سر جوڑ کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے "کس نے ایسا کیا ہوگا ؟ کس نے یہ سزا دی ہوگی ؟"



حیرت ناک بات یہ تھی کہ نلس ان سب کی بولیاں سمجھنے لگا تھا۔ پرندوں کی یہ باتیں سُن کر حیرت سے اس کے پاؤں جم گئے۔ وہ سمجھا کہ چوں کہ وہ بونا بنا دیا گیا ہے، اس لیے وہ ان جانوروں کی بولیاں سمجھنے لگا ہے۔ مگر مرغیوں کے طعنوں کو وہ برداشت نہ کر سکا۔ غصے میں اس نے ایک کنکری ان کی طرف مار کر کہا، "چپ رہو بدتمیزو !" اس وقت اس کو یہ خیال نہ آیا کہ اب وہ، وہ لڑکا نہیں رہا جس سے مرغیاں ڈرتی تھیں۔ کنکری کا مارنا تھا کہ تمام مرغیاں یکدم اس پر ٹوٹ پڑیں اور اس کے اطراف جمع ہو کر سب کی سب چلّا چلّا کر کہنے لگیں، "بچّہ جی تمھیں اچھی سزا ملی، تم اسی قابل تھے۔"

نلس نے مرغیوں کے نرغے سے نکل بھاگنے کی کوشش کی، مرغیوں نے چیختے چلّاتے اس کا پیچھا کیا۔ نلس گھبرا گیا اور سمجھا کہ یہ چونچیں مار مار کر اس کا خاتمہ ہی کر دیں گی۔ عین اس وقت گھر کی بلّی ٹہلتی ٹہلتی اِدھر چلی آئی۔ مرغیوں نے جوں ہی بلّی کو دیکھا وہیں رُک گئیں اور بلّی کو دھوکا دینے کے لیے اس طرح زمین کریدنے لگیں جیسے وہ سوائے اس کام کے کچھ کر ہی نہیں رہی تھیں۔ نلس دوڑ کر بلّی کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا، "پیاری بلّی ! تم تو اس گھر کا کونا کونا جانتی ہو۔ کیا تم مہربانی کر کے مجھے یہ بتاؤ گی کہ بونا کس جگہ رہتا ہے ؟" بلّی نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ آرام سے بیٹھ گئی، اپنی دُم کو اپنے پنجوں کے اطراف لپیٹ کر نلس کی طرف گھور کر دیکھا، اور ملائم آواز سے کہا، "بونا کہاں رہتا ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں، مگر میں وہ جگہ تمھیں نہیں بتاؤں گی۔" نلس نے بڑی مسکینی سے کہا، "پیاری بلّی تم مجھے اس کا پتہ بتا دو۔ دیکھتی نہیں ہو اس نے اپنے جادو کے زور سے مجھے بالشتیا بنا دیا ہے۔" بلّی نے اپنی بند آنکھیں کسی قدر کھولیں جن سے اس کی خباثت جھلکتی تھی۔ اس نے آہستہ سے لیٹے ہوئے اطمینان کے ساتھ کہا،

(باقی آئندہ)



نیوٹاؤن گرلز ہائی اسکول کراچی کی محبوب رحمان صاحبہ متعلم جماعت نہم، جنھوں نے زیر نظر شمارے پر طبع شدہ ٹائٹل ڈیزائن بنایا اور "ہمدرد نونہال" کے ٹائٹل ڈیزائن کے مقابلہ میں اوّل انعام مبلغ ایکسو پچیس رُپے حاصل کیا۔

ایک مُقابلہ کی کہانی

محمد یٰسین

ہمدرد ٹرسٹ نے نونہال بچوں کے لیے "ہمدرد نونہال" کے ٹائٹل ڈیزائن کا مقابلہ رکھا تھا جو اچھا ٹائٹل بنائے انعام پائے۔ ہمیں خوشی ہے کہ بچوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی سی کوششیں بھی کیں۔ ظاہر ہے سب ہی تو انعام کے مستحق قرار نہیں پائے، مگر نونہالوں کا یہ جذبہ قابلِ قدر ہے کہ انھوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جدّوجہد کی اور اپنی صلاحیتوں سے کام لیا اور مقابلہ میں حصہ لیا، اگر جدّوجہد کا یہی انداز رہے تو کامیابی ایک دن یقینی ہوتی ہے۔ بس کوشش اور جدّوجہد شرط ہے۔

جب سب جج ٹائٹل ڈیزائن منتخب کرنے بیٹھے تو چار، پانچ گھنٹے میں بڑی چھان بین کے بعد متفقہ رائے سے پہلے، دوسرے اور تیسرے انعام کے لیے انھوں نے تین ٹائٹل ڈیزائن منتخب کیے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ تمام ججوں نے ہر ڈیزائن کی پشت پر اپنے تصدیقی دستخط ثبت کیے۔

حسب ذیل جج تھے:

(۱) جناب عبدالغفور صاحب آف یونائٹڈ ایڈورٹائزرز

(۲) مسٹر ڈسلوا صاحب

(۳) جناب فضل حق قریشی صاحب

(۴) جناب عزیز صاحب آرٹسٹ

(۵) جناب محترم حکیم حافظ محمد سعید صاحب

سب سے آخر میں جب انعام یافتگان کے نام، پتہ اور اسکول وغیرہ کا جائزہ لیا جارہا تھا تو ایک عجیب اتفاق کا انکشاف ہوا۔ وہ یہ کہ انعام یافتگان تینوں کی تینوں طالبات ہیں اور تینوں طالبات کراچی کے ایک ہی اسکول "نیوٹاؤن گرلز ہائی اسکول" میں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ فیصلہ میں چوں کہ کوئی لوچ نہیں تھا اور اتفاق رائے سے خوب ٹھونک بجاکر فیصلہ کیا گیا تھا اس لیے اس کے تبدیل ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ اس سے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ "نیوٹاؤن گرلز ہائی اسکول" نے اپنی طالبات کو ان کے رجحانات کے مطابق بڑی سہولتیں بہم پہنچا رکھی ہیں اور یہ کہ اس سلسلے میں اُن کی کافی ہمت افزائی بھی کی جاتی ہے۔ بہرحال ہم تینوں طالبات کو جنھوں نے انعام جیتا دلی مبارک باد دیتے ہیں۔

اخباروں میں جب یہ خبر شائع ہوئی کہ "ہمدرد نونہال" کے لیے ٹائٹل ڈیزائن کا مقابلہ "نیوٹاؤن گرلز ہائی اسکول" کی طالبات نے جیت لیا ہے تو یہ خبر اسکول کی پرنسپل صاحبہ سے نہیں چھُپ سکی۔ پرنسپل کی حیثیت طالب علموں کے لیے ایک ماں یا باپ کی سی ہوتی ہے انھیں اس خبر سے جو خوشی ہوئی وہ قدرتی تھی۔ سب سے پہلے تو انھوں نے طالبات کو بلاکر مُبارک باد دی اور دعائیں دیں، اور دوسرا کام انھوں نے یہ کیا کہ دفتر "ہمدرد نونہال" کو ٹیلیفون کیا اور اس انتخاب پر اپنے اسکول کی طرف سے نہ صرف شکریہ ادا کیا بلکہ رسالہ "ہمدرد نونہال" کے مقاصد کو بہت سراہا اور اس کے لیے دُعا فرمائی۔

اب تجویز یہ ہوئی کہ ان طالبات کو انعامات ۱۲ر مئی ۱۹۶۰ء، جمعرات، ساڑھے تین بجے شام ہمدرد لیبوریٹریز ناظم آباد میں تقسیم کیے جائیں اور یہ کہ انعام یافتگان اپنی ہم جماعتوں کو بھی اپنے ہمراہ لائیں۔ اس سلسلے میں اسکول کی پرنسپل صاحبہ محترمہ سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ اور آرٹ کی استانی صاحبہ بھی ازراہِ عنایت اپنی شاگردوں کے ساتھ تشریف لائیں۔ مقصد اس تجویز کا یہ تھا کہ اس طرح طالبات نہ صرف یہ کہ اس

اجتماع میں شریک ہو جائیں گی بلکہ ان کو ہمدرد لیبوریٹریز کے مشاہدہ کا بھی موقع ملے گا جو ایشیا میں دوائیں تیار کرنے کی بے مثال فیکٹری ہے اور جس میں دوائیں بغیر ہاتھ لگائے خود کار مشینوں کے ذریعے سے تیار کی جاتی ہیں

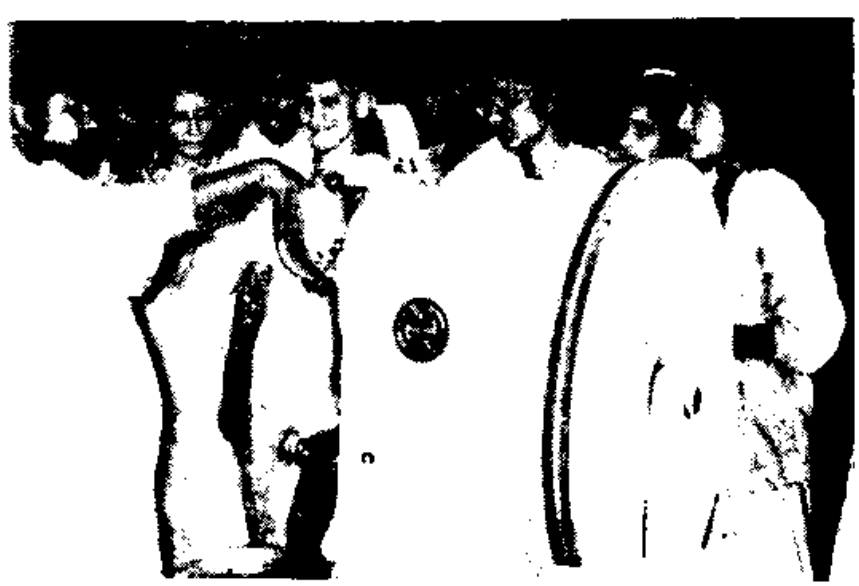
محترمہ پرنسپل صاحبہ نے ہماری اس تجویز کو پسند فرمایا اور طے پایا گیا کہ وہ ۱۲ مئی ۱۹۶۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے تین بجے سہ پہر بمعہ طالبات تشریف لائیں گی۔ ہم نے اس سلسلے میں ہمدرد ٹرسٹ کے صدر محترم جناب حکیم حافظ محمد سعید صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنے دستِ مبارک سے انعامات تقسیم فرمائیں، جو قبول ہوئی۔

۱۲ مئی ۱۹۶۰ء کو تمام انتظامات مکمل ہو گئے تھے، طالبات کی تواضع کے لیے ٹھنڈے ٹھنڈے شربت روح افزا کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا۔ ٹھیک ۳½ بجے اطلاع ملی کہ پرنسپل صاحبہ اور طالبات آگئی ہیں۔ وقت کی اس پابندی نے ہمیں بہت متاثر کیا، واقعی اگر اسکول کے منتظمین اچھے ہوں تو اسکول نہ صرف علم و ہنر کا گہوارہ ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی میں نظم و ضبط کا بھی درس دیتا ہے۔

اس کے بعد کا حال کہ کس طرح اور کتنی دلچسپی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ طالبات نے ہمدرد لیبوریٹریز کو بالتفصیل دیکھا اور پھر تقسیم انعامات کس طرح ہوئی، تصویروں کی زبانی سنیے:



پرنسپل صاحبہ اور استانیاں اور طالبات بڑے غور اور دلچسپی کے ساتھ آٹومیٹک ٹیبل پر سعالین جار پیک ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ ان کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ خواتین پیکرز کتنی صفائی اور پھرتی کے ساتھ نپے تلے انداز میں کام کر رہی ہیں۔ ایک چیز سے انھیں بہت تعجب ہوا وہ یہ کہ ہمدرد فیکٹری میں خواتین بھی کام کرتی ہیں اور یہ کہ وہ جذبۂ خدمت سے خوب سرشار ہیں۔



ہمارے مہمان قرص بنانے کی ایک خودکار مشین کو گھیرے میں لیے کھڑے ہیں، یہ مشین ایک منٹ میں ۱۸۰ قرص بناتی ہے۔ جب فہمیدہ بٹ صاحبہ (انچارج شعبۂ پیکنگ) نے بتایا کہ یہ خودکار مشین "ہمدرد" کے اپنے ورکشاپ کی بنی ہوئی ہے تو انھوں نے اس میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا اور مشین سے متعلق مختلف سوالات کیے۔ جس کے جوابات اُن کو دیے گئے۔



طالبات شعبۂ شوگر کوٹنگ میں۔ یہاں اقراص پر شکر چڑھائی جاتی ہے۔ بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ذائقہ کڑوا یا کسیلا ہوتا ہے ان کو خوش ذائقہ بنانے کے لیے مشین کی مدد سے ان پر شکر چڑھائی جاتی ہے بعض دواؤں کے اجزا کو موسمی اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے ان پر کوٹنگ کی جاتی ہے۔ شکر چڑھ جانے کے بعد قرص نہ صرف یہ کہ موسم کے اثر سے محفوظ ہو جاتے ہیں بلکہ دیکھنے میں بھی خوشنما ہو جاتے ہیں۔ کچھ اقراص ایسے ہوتے ہیں جن پر چاندی یا سونے کے ورق چڑھائے جاتے ہیں ظاہر ہے اگر ہاتھ سے یہ کام انجام دیا جائے تو قرص ہاتھ کے پسینے وغیرہ سے خراب ہو جاتے ہیں اور بدنما ہو جاتے ہیں۔ ہمدرد میں یہ کام بھی مشینوں سے لیا جاتا ہے۔ مہمانوں نے اس شعبہ کو بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ انھوں نے خوبصورت گولیاں شیشیوں میں بند تو دیکھی تھیں مگر ان کے طریقۂ تیاری سے وہ اب واقف ہو رہی تھیں۔ ◁



ہمارے پیارے مہمان فلنگ اینڈ پیکنگ ہال میں پہنچ گئے۔

ارے! یہاں تو سخت سردی ہے۔ کیوں نہ ہو یہ ہال ایر کنڈیشنڈ جو ہے۔ اس ہال میں خاک کا ایک ذرہ بھی کہیں سے داخل نہیں ہو سکتا۔ تصویر میں خواتین پیکر زخودکار مشینوں سے سنکارا، نونہال اور صافی بھرے جانے کی نگرانی کر رہی ہیں طالبات و پرنسپل صاحبہ نے بڑی دلچسپی سے یہ شعبہ دیکھا ▷



دوائیں بھر جانے کے بعد شیشیاں یا بوتلیں آٹومیٹک ٹیبل پر آ جاتی ہیں۔ یہاں پہلے اس کی جانچ کی جاتی ہے کہ دوا جو شیشی کے اندر بھری گئی ہے وہ صاف و شفاف ہے اس کے بعد مشین کے ذریعے شیشی میں کارک لگا کے کیپ لگا دی جاتی ہے۔ یہاں سے خودکار مشین شیشی کو لے کر آگے بڑھتی ہے اور شیشی کو لیبل لگانے والی مشین تک لے جاتی ہے اس کے بعد شیشی کو مشین آگے دھکیل دیتی ہے جہاں اسے ڈبے میں بند کر دیا جاتا ہے پیک شدہ شیشیوں کو ایک ٹرالی میں رکھ کر لفٹ تک پہنچا دیا جاتا ہے یہ لفٹ ان پیک شدہ ادویہ کو نیچے اسٹور میں پہنچا دیتی ہے۔ گھنٹوں کا کام منٹوں میں انجام پا گیا۔ طالبات نے پیکنگ ہال کو اس قدر دلچسپی اور انہماک سے دیکھا کہ انھیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ یہاں آئیں کس لیے تھیں۔ یہاں سے پرنسپل صاحبہ، ٹیچرس اور طالبات کو نیچے فیکٹری لان میں لایا گیا جہاں انعامات کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا۔



لیجیے ضابطے کی کارروائی شروع ہوگئی۔
محترم حکیم صاحب تشریف لے آئے اور ان کے ساتھ ساتھ محمد یٰسین بھی۔ محترم حکیم صاحب نے پرنسپل صاحبہ سے ملاقات کی۔ ایسی ملاقات ہوئی جیسے حکیم صاحب قبلہ پرنسپل صاحبہ کو عرصے سے جانتے ہیں۔ ارے ہاں محترم حکیم صاحب کو یاد آیا ثریا ہمدرد معاون مدیر ہمدرد نونہال بھی تو ان کی شاگرد رہ چکی ہیں۔ محترم حکیم صاحب کرسی صدارت پر متمکن ہوگئے۔ ایڈیٹر نونہال نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں انھوں نے انعام یافتگان کو مبارک باد دی۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے نیو ٹاؤن گرلز ہائی اسکول اور اسکے منتظمین کی بھی تعریف کی کہ انھوں نے اپنی طالبات کو نہ صرف ان کے نصابی تعلیم میں بلکہ ان کو ان کے ذوق کے مطابق بھی بڑی سہولتیں پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ایڈیٹر "ہمدرد نونہال" نے محترم حکیم صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنے دستِ مبارک سے انعامات تقسیم فرمائیں۔



سب سے پہلے اوّل انعام پانے والی طالبہ محبوب رحمان صاحبہ متعلم جماعت نہم آگے بڑھیں۔ محترم حکیم صاحب نے ملفوف ایکسو پچیس ۱۲۵ رُپے نقد اُنھیں "ہمدرد نونہال" کی طرف سے عطا کیے اور انھیں کامیابی پر مُبارک باد دی۔
تصویر میں محبوب رحمان صاحبہ محترم حکیم صاحب سے مصافحہ کر رہی ہیں۔



اس کے بعد دوسرا انعام پانے والی طالبہ بُشرہ رحمت اللہ صاحبہ متعلم جماعت نہم نے محترم حکیم صاحب سے اپنا انعام مبلغ پچھتر رُپے وصُول کیا محترم حکیم صاحب نے انھیں بھی مُبارک باد دی اور ان کی تعلیم و ترقی کے لیے دُعا کی۔ تصویر میں بشرہ رحمت اللہ صاحبہ اپنا انعام وصول کر رہی ہیں۔ پرنسپل صاحبہ کی خوشی کا اندازہ تصویر دیکھ کر کیا جاسکتا ہے اور ان کو خوشی کیوں نہ ہو کہ ان کو اپنی طالبات پر فخر ہے۔



اب نجمہ رحمان صاحبہ کی بھی انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئی تھیں۔ لیجیے ان کا پورا نام پکارا گیا۔ یہ آگے بڑھیں اور اپنا انعام ملفوف مبلغ پچاس رُپلے حاصل کیا۔ محترم حکیم صاحب نے انھیں بھی مبارک باد دی انھوں نے حکیم صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

نیو ٹاؤن گرلز اسکول ہی کی ایک طالبہ کشور صدیقی صاحبہ ایک خصوصی انعام مبلغ پچھتّر رُپلے کی مستحق قرار پائی تھیں وہ کسی وجہ سے اس اجتماع میں شرکت نہ کرسکیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ انعام ان کے بجائے کون وصول کرے۔ ظاہر ہے محترمہ پرنسپل صاحبہ کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔

تصویر میں محترم حکیم صاحب کشور صدیقی صاحبہ کا خصوصی انعام پرنسپل صاحبہ کے سپرد کررہے ہیں۔





لیجیے صاحب کارروائی ختم ہوگئی۔ اب یہ مناسب سمجھا کہ محترمہ پرنسپل صاحبہ اور طالبات کی مشروب مشرق شربت روح افزا سے خاطر کی جائے۔ ابھی سب شربت روح افزا کی چسکیاں ہی لے رہے تھے کہ ایک طرف سے نجمہ رحمان صاحبہ آئیں۔ میز کے قریب آکر انھوں نے صاحب صدر کو مخاطب کیا اور ایک تقریر کی۔ انھوں نے اپنے اسکول کی طرف سے ہمدرد دواخانہ، محترم حکیم صاحب اور ایڈیٹر رسالہ "ہمدرد نونہال" کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے ہمیں انعامات سے نواز کر ہماری ہمت افزائی کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہمیں آپ کی فیکٹری دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ انھوں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ آپ کے ہمدرد دواخانہ کو دیکھ کر جی چاہتا ہو کہ ہم جب بھی تعلیم سے فارغ ہوں تو اللہ کرے "ہمدرد" کی کوئی خدمت کرسکیں اور یہ کہ یہ ہمارے لیے باعث فخر ہوگا۔ کیوں کہ ہمدرد ایک ایسا ادارہ ہو جو قوم وملک کی بڑی زبردست خدمات انجام دے رہا ہو۔

ہمیں نجمہ رحمان صاحبہ کی مختصر تقریر پسند آئی خصوصاً ان کا اُردو کا تلفظ اور انداز بیان اس قدر اچھا تھا کہ آئندہ کے لیے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ اللہ میاں ان کو علم کی دولت سے مالا مال کرے۔ آمین۔



آخر میں نیو ٹاؤن گرلز ہائی اسکول کی طالبات نے قومی ترانہ پڑھا جس کو سب نے ادب کے ساتھ کھڑے ہو کر سُنا۔

ختم شد





بڑوں کے لیے

غیر متوقّع حادثات

ثریا ہمدرد

ایسے خوش نصیب گھرانوں میں جہاں ننھے منّے بچّے قلقاریاں مارتے ہیں اور اپنی پیاری پیاری حرکتوں سے اپنے ماں باپ ، دادا اور نانی کے دل کو لبھاتے ہیں وہاں والدین سے کچھ ایسی غفلتیں سرزد ہوتی ہیں جن کی بظاہر تو کوئی اہمیت نہیں ہوتی ، مگر بعض اوقات اُن کے اتنے خراب نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بچّے کی جان کے الگ لالے پڑ جاتے ہیں اور وہ گھر جو خوشیوں کا گہوارہ ہوتا ہے چند منٹ میں خدانخواستہ ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

بچّہ فطرتاً چونچال اور شرارت پسند ہوتا ہے ، وہ نتائج سے بے خبر ہو کر ہر اُس چیز کو دُہرانے کی کوشش کرتا ہے جو اپنے بڑوں کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ظاہر ہے اس میں اتنی عقل تو ہوتی نہیں کہ وہ اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکے اس لیے یہ امر اس کا متقاضی ہے کہ وہ گھر جس میں ننھے منّے بچّے ہوں، والدین کو چاہیے کہ اپنی روزمرہ کے استعمال کی اشیاء مثلاً سوئی، ریزر بلیڈ، زہریلی ادویہ کی شیشیاں ، ماچس کی ڈبیہ وغیرہ ایسی جگہ رکھیں جو بچّے کی پہنچ سے باہر ہو۔

ہر شیر خوار بچّے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جو چیز اُسے اپنی راہ میں پڑی مل جاتی ہے وہ اسے سب سے پہلے اپنے منہ میں لے جاتا ہے اور اُسے کھانے ، چوسنے ، یا دانتوں وغیرہ سے دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اگر کوئی نقصان رساں چیز اس کے ہاتھ لگ جائے تو اُسے شدید نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ ذیل کے کالموں میں کراچی شہر میں پیش آئے ہوئے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ والدین کی غفلتیں بعض اوقات اُن کی اپنی اولاد کے لیے کیا کیا گُل کھلاتی ہیں۔

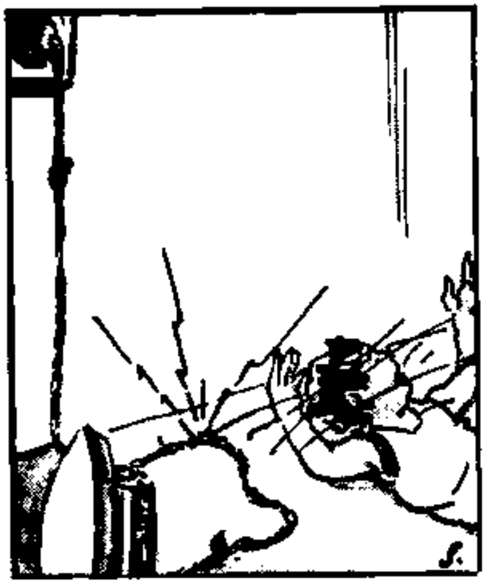
ریزر بلیڈ : ایک صاحب کی عادت تھی کہ وہ روزانہ فرش پر بیٹھ کر اور آئینہ سامنے رکھ کر شیو بنایا کرتے تھے۔ ایک دن اُن صاحب نے دفتر جانے کی جلدی میں اپنا سیفٹی ریزر مع بلیڈ کے اُسی جگہ فرش پر چھوڑ دیا۔ اتفاق سے صاحبزادے گھسٹتے گھسٹتے وہاں پہنچ گئے اپنے ابا کو شیو بناتے ہوئے اکثر دیکھ چکے تھے اب جو سامان فرش پر لگا ہوا دیکھا تو پہلے تو صابن لگے برش کو منھ میں لیا، ذائقہ ناگوار ہوا تو اسے پھینک دیا، سیفٹی ریزر اُٹھایا اور اسے اوندھا سیدھا اپنے گال پر پھیرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گال جگہ جگہ سے کٹ گیا۔ اپنی اُنگلی کاٹ لی تکلیف ہوئی



تو رونا شروع کر دیا۔ والدہ صاحبہ جب آواز سُن کر دوڑی آئیں تو صاحبزادے لہو لہان کھڑے ہوئے رو رہے ہیں۔ فوراً ان کو اٹھا کر ہسپتال لپکیں بس اللہ میاں نے کرم کیا۔ ایک واقعہ اور پیش آیا، وہ یہ ایک سال کے صاحبزادے نے بلیڈ کو منھ میں رکھ کر توڑا اور نگل گئے۔ بلیڈ کے ٹکڑوں نے حلق میں اُترتے اُترتے زبان کو کاٹ دیا۔ اماں جان کو جب تک خبر ہوئی وہ بلیڈ کے ٹکڑے نگل چکے تھے۔ اس بچّے کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا، ڈاکٹروں نے فوراً عمل جراحی کیا اور بچّے کی آنتوں میں سے بلیڈ کے ٹکڑے برآمد کر لیے ، خدا کا شکر ہوا آنتیں کچھ زیادہ زخمی نہیں ہوئی تھیں تھوڑے دن میں صاحبزادہ تو درست ہو گئے۔ مگر ماں باپ کے دل پر کیا گزر گئی ہوگی اس کو وہی جان سکتے ہیں۔

بجلی کا تار : اکثر لوگوں میں دیکھا گیا ہو کہ استری وغیرہ کے لیے کنکشن سہولت کے پیشِ نظر فرش کے قریب دیوار پر لگوائے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غیر محفوظ ہو، بچّے کسی وقت بھی کھیلتا وہاں جا سکتا ہو اور اس میں اپنی انگلی دے سکتا ہو اور خطرے سے دوچار ہو سکتا ہو۔ بہتر یہ ہو کہ اس قسم کے کنکشن بچّے کے قد سے کافی اُونچے لگوائے جائیں تاکہ وہ اُن تک نہ پہنچ سکیں۔ ایک واقعہ ہو کہ گھر میں کسی نے کپڑوں پر استری کرکے استری یونہی چھوڑ دی۔ گھر کے ایک خادم کا جب اُدھر سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ بچّہ استری کے تار کو بیٹھا ہوا چبا رہا ہو۔ عین ممکن تھا کہ اگر کچھ دیر خادم اور نہ آتا تو بچّہ اس تار کو کتر لیتا جس میں سے برقی رو گزر رہی تھی۔

زہریلی ادویہ : ابھی حال ہی کا واقعہ ہو کہ لندن میں ایک بچّے نے جلاب کی آٹھ میٹھی میٹھی گولیاں کھالیں (عام طور سے آج کل جلاب کی دوا چاکلیٹ میں ملا کر تیار کی جاتی ہو) ڈاکٹروں نے بچّے کو بچانے کی بہت کوششیں کیں مگر بے سود۔ صرف اٹھارہ گھنٹے زندہ رہنے کے بعد وہ بچّہ چل بسا۔ کتنی افسوس ناک ہو یہ خبر مگر محض ایک ذرا سی لاپروائی اور غفلت کا نتیجہ۔ ایسی ادویہ جن کو استعمال کیا جا رہا ہو یا وقت بے وقت استعمال کے لیے ہوں ان کو چاہیے کہ ہمیشہ تالے میں رکھا جائے اور ہر شیشی پر یہ ضروری ہو کہ لیبل وغیرہ نمایاں لگا ہو۔ اس احتیاط سے نہ صرف یہ کہ معصوم بچّے محفوظ ہو جائیں گے بلکہ بڑے بھی دھوکے سے بچیں گے۔







نائیلون کا لباس : آج کل نائیلون کا زمانہ ہو۔ بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک جسے دیکھیے نائیلون میں ملبوس ہو۔ مائیں بھی اپنے ننھے ننھے بچّوں کو نائیلون پہنانا پسند کرتی ہیں۔ لیکن کیا وہ جانتی ہیں کہ نائیلون نہ صرف طبّی نقطۂ نظر سے بہت مضر ہو بلکہ ان کے بچّوں کے لیے خطرناک بھی ہو۔

اس کپڑے کا پہلا نقص یہ ہو کہ اس کے اندر سے ہوا نہیں گزر سکتی۔ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہو کہ ہمارے جسم میں باریک باریک مسامات ہوتے ہیں جن سے پسینہ خارج ہوتا ہو۔ اس پسینہ کو خشک کرنے کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہو۔ اگر یہ پسینہ خشک نہ ہو تو جسم سے جو فاسد مادّے اور نمکیات پسینے کے ذریعہ خارج ہوتے ہیں وہیں مسامات کے اُوپر جم جائیں گے اور اس سے کئی قسم کی جلدی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ وہ مائیں جو اپنے ننھے منّے بچّوں کو نائیلون پہنا کر پھولی نہیں سمائیں دراصل اپنی اولاد کے حق میں کانٹے بوتی ہیں۔ بچّوں کا لباس باریک کپڑے کا اور ہوادار ہونا چاہیے۔

نائیلون کپڑے کا دوسرا خطرناک پہلو یہ ہو کہ یہ آگ کے لیے پیٹرول کا کام کرتا ہو اور نہ معلوم آج تک کتنے بڑے اور چھوٹے اپنی زندگیاں اس کی نظر کر چکے ہیں۔ اس قسم کی خبریں آئے دن اخباروں میں نظر سے گزرتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک چار سالہ بچّی کا حادثہ پیش آیا ہو۔ یہ بچّی نائیلون کا فراک اور پلاسٹک کی چوڑیاں پہنے ہوئے تھی۔ باورچی خانہ میں اپنی ماں کے پاس بیٹھی آٹے کی ٹکیاں بنا رہی تھی کہ اچانک مٹّی کے تیل کا چولہا بھڑکا اور آناً فاناً میں اس بچّی کے

فراک نے آگ پکڑلی اور اس سے پہلے کہ ماں اپنی بچّی کی طرف توجہ دے اس کی پلاسٹک کی چوڑیاں بھی آگ پکڑ چکی تھیں۔

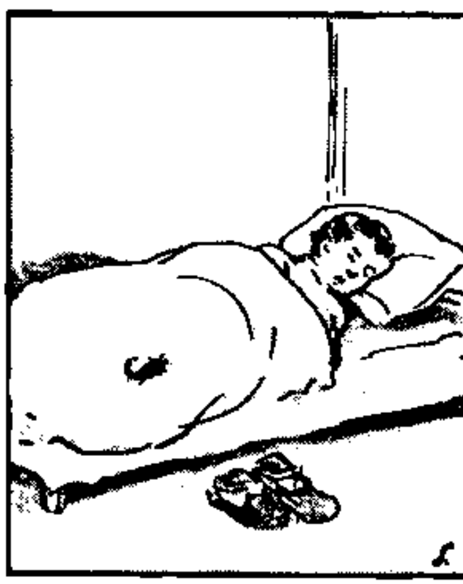
آگ پر تو قابو پالیا گیا، مگر بچّی کے ہاتھ اور اس کا چہرہ بُری طرح جھُلس گیا تھا۔ اُسے فوری طبّی امداد پہنچائی گئی، مگر وہ جاں بر نہ ہوسکی۔ کتنا افسوس ناک ہے یہ واقعہ کاش کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔

ماچس کی ڈبیہ: ہوتی تو ہے چھوٹی سی ڈبیہ مگر بے انتہا خطرناک اور جتنی یہ خطرناک ہے بچّے کو اس سے اُتنی قدر اُنسیت ہوتی ہے۔ وہ اپنی ماں کو باورچی خانہ میں اور ابّا کو جب سگریٹ سلگاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کا دل مچل جاتا ہے کہ کاش یہ جادو کی ڈبیہ کسی دن میرے ہاتھ لگ جائے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بچّے اسے موقع پاکر کہیں نہ کہیں دبوچ لیتے ہیں اور ماچس کی تیلی کو گھِس کر جلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض بچّے جلانے میں کامیاب نہیں ہوتے اور ان کا اگر بس نہیں چلتا تو وہ ماچس کی تیلی کو مُنھ میں لے کر اُس کے اُوپر جو مسالہ لگا ہوا ہوتا ہے اُس سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیتے ہیں، جو ان کے لیے بہر حال نقصان دہ ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ جو بچّے اس کو جلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اُن کے ہاتھ میں پوری ماچس کی ڈبیہ بھڑک اٹھتی ہے اور بڑے بڑے حادثات کا سبب بن جاتی ہے۔ محفوظ رہیں۔ یہی چیز ہے کہ بچّوں کے سامنے کبھی ماچس جلانے کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور یہ کہ انھیں باورچی خانہ اور انگیٹھی سے دور ہی رکھا جائے۔

بچّہ کا بستر: کون سے ایسے ماں باپ ہیں جنھیں اپنے بچّے سے محبت نہیں ہوتی۔ اپنی اولاد کے آرام پہنچانے کے لیے وہ کیا کچھ نہیں کرتے۔ لیکن کیا آپ کو یقین آئے گا کہ ایک انتہائی نرم اور گدّے دار بستر نے ایک بچّے کی جان لے لی!!!





سان فرانسسکو کی ایک شام ایک ماں اپنے بچّہ کو ہنڈولے میں لٹاکر اس کے لیے دُودھ بنانے گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اس نے اپنے بچّے کو مُردہ پایا۔ اپنے پیارے بچّے کی موت کا سبب وہ خود بھی نہ جان سکی۔ ڈاکٹروں کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ بچّے کی موت دم گھُٹنے سے واقع ہوئی ہے۔ ہوا یہ کہ ہنڈولے میں بچّے کا بستر بہت زیادہ گدّے دار تھا۔ اتنے عرصے میں کہ اس کی ماں دودھ لے کر واپس آئے اُس بچّے نے ہنڈولے میں ایک قلابازی کھائی اور موٹے گدّے دار بستر میں اس کا منھ دھنس گیا۔ ماں آتی تو اسے سیدھا کرتی مگر اتنے عرصے میں ہوا کی کمیابی کی وجہ سے اس کا دم گھُٹ چکا تھا۔

بچّے کا بستر ہمیشہ بہت سادہ ہونا چاہیے۔ اس کا لباس بہت ہلکا اور باریک ہونا چاہیے، اس کا بستر اتنا کشادہ ہونا چاہیے کہ وہ اس میں آسانی کے ساتھ کروٹ لے سکے۔ اس کے بستر کو فضول گدّوں سے موٹا نہیں کرنا چاہیے۔



یہ واقعہ ہے کہ بزرگی اور عظمت کے اعتبار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا درجہ دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے بڑا ہے۔ انسان کو ہم چند چیزوں کی وجہ سے بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً اس کے اخلاق اور اچھی سیرت، دوسرے انسانوں کے ساتھ محبّت ہمدردی اور خیر خواہی اس کا دوسرے لوگوں پر اثر و اقتدار وغیرہ۔ اب ہم ان کو معیار قرار دے کر جس پہلو سے غور کریں ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ رسولِ پاک عظیم ترین شخصیت کے مالک تھے۔

آج دنیا میں اُس شخص کو محبُوب و محترم سمجھا جاتا ہے جو امن دوست ہو اور امن و سلامتی کے لیے کوشاں ہو۔ آپ کی ابتدائی زندگی کا ایک اہم واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے آپ کی ذہانت اور فراست ظاہر ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ کو امن و صلح کس درجہ عزیز تھی اور لوگوں میں میل محبّت قائم رکھنے، اور انھیں اختلاف اور لڑائی سے بچانے کی کیسی زبردست خواہش۔

فراست و ذہانت: خانۂ کعبہ کی مرمّت ہو رہی تھی، حجرِاسود (سیاہ پتھر)، جو تمام لوگوں کے نزدیک بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا اس کی ایک دیوار میں لگا ہوا تھا، جب وہ دیوار بننے لگی اور حجرِاسود کو اس کی جگہ لگانے کا وقت آیا تو لوگوں میں نزاع ہونے لگا کہ اس متبرک پتھر کو کون اُٹھا کر رکھے۔ ہر شخص یہ سعادت خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بات بڑھی اور قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جاتیں، لیکن خانۂ کعبہ کا معاملہ تھا اور لوگ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے پاس اور اس کے متعلق خون خرابہ ہو۔ چناں چہ یہ طے ہوا کہ لڑنے کی بجائے اس قصّے کو اس طرح طے کیا جائے کہ اگلے دن صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں آئے وہ اس قضیے کو طے کرے۔ حسنِ اتّفاق کہ دوسرے دن علی الصباح سب سے پہلے آنے والے رسولِ پاک تھے۔ آپ کی دیانت اور امانت اس درجہ مشہور تھی کہ آپ کو لوگ امین کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ سب خوش ہوئے اور امین آئے، امین آئے پکارنے لگے۔ آپ کو ساری بات بتائی گئی تو آپ نے معاملہ کو اس خوش اسلوبی سے طے کیا کہ سب خوش ہوگئے۔ آپ نے اپنی چادر پھیلائی اور اس پر حجرِاسود خود رکھ دیا پھر تمام مختلف سرداروں سے وہ چادر پکڑوا کر

وہاں اٹھوا لے گئے جہاں وہ پتھر نصب کیا جانا تھا۔ پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو چادر پر سے اُٹھا کر دیوار میں لگا دیا۔ اس انوکھی تدبیر سے چوں کہ اس سعادت اور برکت میں سب شامل ہوگئے تھے لہٰذا سب خوش ہوگئے اور آپ کی فراست سے وہ قضیہ جس پر نہ جانے کتنے سر کٹ جاتے، یوں محبّت اور صلح و صفائی کے ساتھ طے ہوگیا۔

امن پسندی: آپ کی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف ہوئیں کہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں، کوئی کسی کا حق نہ مارے طاقت ور کم زور پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کو خاندان وطن یا رنگ کی بنا پر کمتر و حقیر نہ سمجھے، ناجائز طریقہ سے دولت حاصل نہ کی جائے۔ اور ان چیزوں پر پورے طور سے عمل کیا جائے تو واقعی دنیا میں کوئی جھگڑا باقی ہی نہ رہے اور دنیا امن و امان کا گہوارہ ہو اور اس میں خوش حالی کا دور دورہ۔

مکّہ میں ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے مل کر اسی قسم کا عہد کیا تھا کہ ہم لوگوں پر ظلم نہ ہونے دیں گے۔ امن و امان قائم رکھیں گے یہ عہد حلف الفضول کہلاتا ہے۔ اس میں آپ بھی بڑی خوشی سے شریک ہوئے تھے۔

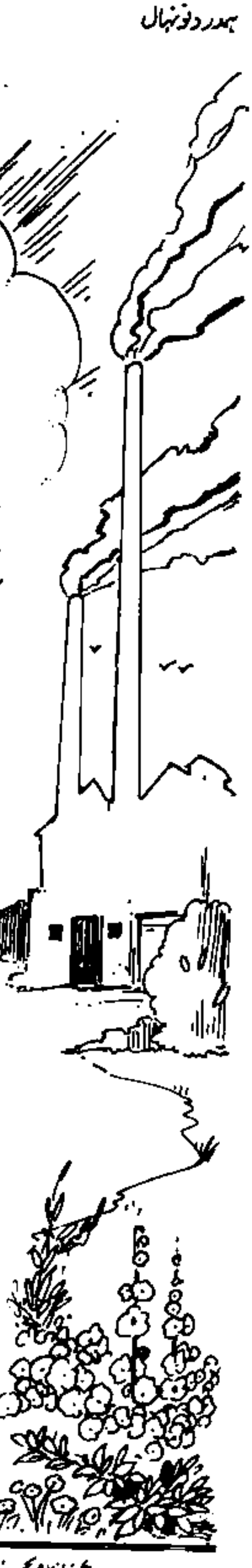
اخلاقِ حسنہ: دوسروں کو نصیحت تو سب ہی کرتے ہیں، لیکن ان کا نمونہ خود بننا بڑا مشکل ہے، مگر رسولِ پاکؐ ان تمام اچھّی صفات اور عمدہ اخلاق کا بہترین و کامل نمونہ تھے جن کی آپ تلقین فرماتے تھے، آپ کا سچّا اور امین ہونا، وعدہ کی پابندی، سب کے ساتھ رواداری، محبّت اور ہمدردی، بیکسوں کی امداد و دستگیری — ، خطا کاروں کی غلطیوں اور قصوروں سے درگزر، بنی نوع انسان کی خیر خواہی یہ اور دوسرے اوصافِ حمیدہ سے آپ متصف تھے اور ان کی اس کثرت سے مثالیں اور واقعات ہیں کہ دشمن بھی انکار نہیں کر سکتے۔

بُرائی کے بدلے بھلائی: کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو سزا دینا یا انتقام لینا عام بات ہے، انسان کے علاوہ دوسرے جانداروں میں بھی اس کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن دشمن کو قوت و اقتدار حاصل ہونے کے باوجود اور اس وقت جب وہ پورے طور سے اپنے رحم و کرم پر ہو معاف کر دینا بہت ہی بڑی بات ہے اور یہ اخلاق کا انتہائی کمال ہے۔ آپ کی پوری زندگی میں جگہ جگہ اس کا مظاہرہ ہوا۔ آپ نے ان لوگوں کے حق میں بھی بد دُعا نہیں کی جنھوں نے آپ کو ناحق ایذا پہنچائی۔

آپ طائف میں لوگوں کو اچھّی باتیں سمجھانے اور نیکیوں کی تبلیغ کے لیے گئے، وہاں کے سرکش لوگوں نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا بلکہ کچھ شریروں نے آپ پر پتھر برسائے اور آپ کے پاؤں لہولہان ہوگئے، ساتھی نے کہا رسول اللہؐ ان کے حق میں بد دُعا کیجیے، تو آپ نے فرمایا نہیں، میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کو ہدایت اور نیک توفیق دے، یہ جانتے نہیں ہیں۔

آپ کی دریا دلی اور وسیع النظری اور لطف و کرم کی سب سے بڑی مثال فتحِ مکّہ ہے، مکّہ والوں نے آپ کو سالہا سال تکلیفیں پہنچائیں، سخت سے سخت ظلم سے باز نہ رہے، بالآخر جب مکّہ فتح ہوا اور فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے تو وہاں کے سب لوگ لرزہ براندام تھے اور کانپ رہے تھے کہ آج ہماری خیر نہیں۔ آپ نے تمام مجمع کو خطاب فرمایا اور اعلان کیا کہ آج تمھارے لیے عام معافی کا دن ہے۔ تم سے تمھارے گزشتہ ظلم و ستم اور بداعمالیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

سچ ہے آپ تمام دنیا کے لیے رحمت تھے۔ خدا ہم سب کو رسولِ پاکؐ کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



تعمیرِ پاکستان

صابرؔ دہلوی

حرم کے نور سے وابستہ ہے تنویرِ پاکستان
ہوئی ہے اِک نئے انداز سے تعمیرِ پاکستان

وطن کے رازداں اب ہیں وطن کے پاسباں اپنے
خدا کے فضل سے اہلِ چمن ہیں باغباں اپنے
گلوں ہی کی طرح اب ہر چمن میں ہیں نشاں اپنے
بہاروں سے بھی اب رنگین ہے تصویرِ پاکستان
ہوئی ہے اِک نئے انداز سے تعمیرِ پاکستان

زمیں کے ذرّے ذرّے میں عیاں اِک تازگی دیکھو
جمالِ جانفزا کی گود میں اب زندگی دیکھو
وطن کے نوجوانوں میں ہر اِک جانب خوشی دیکھو
کلی کو گُل بنایا ناخنِ تدبیرِ پاکستان
ہوئی ہے اِک نئے انداز سے تعمیرِ پاکستان

شِفا ان سب نے پائی جو کہ تھے بیمارِ غفلت کے
مرض جاتے رہے آخر نفاق انگیز فطرت کے
دمِ عیسیٰ سے کم کیا ہیں کرشمے اپنی حکمت کے
زمانے میں بڑھی ہے کس قدر توقیرِ پاکستان
ہوئی ہے اِک نئے انداز سے تعمیرِ پاکستان

ہمارے ملک کی تہذیب میں کتنا نکھار آیا
نگاہوں میں چمک آئی۔ دلوں میں اعتبار آیا
چمن کے حُسن پر اہلِ چمن کو خود ہی پیار آیا
ہے صابرؔ دہر میں اِک نور کی تنویرِ پاکستان
ہوئی ہے اِک نئے انداز سے تعمیرِ پاکستان



حکیم حافظ محمد یحییٰ پرنٹر پبلشر نے ہمدرد ٹرسٹ کے لیے جاوید پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر ہمدرد نونہال ، ہمدرد ڈاک خانہ۔ ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

Hamdard-e-Naunehal

REGD. No: S. 1903